ایمان اور کفر

قرآن کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی
محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

ایمان اور کفر کی حقیقت،
اسلام اور مسلمان کی تعریف
اور متعلقہ مباحث کی تحقیق

ادارۃ المعارف کراچی

"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ"
(مائدہ)
اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی۔

ایمان اور کُفر

قرآن کی روشنی میں

ایمان اور کُفر کی حقیقت، اسلام اور مسلمان کی تعریف
اور متعلقہ مباحث کی تحقیق

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

باہتمام : محمد مشتاق سنی
طبع جدید : محرّم ۱۴۲۸ھ - فروری ۲۰۰۷ء
مطبع : زمزم پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : اِدارۃ المعارف کراچی
فون : 5049733 - 5032020
ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

* اِدارۃ المعارف کراچی
فون: 5049733 - 5032020

* مکتبہ معارف القرآن کراچی
فون: 5031565 - 5031566

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

خصوصًا علٰی سیّدنا محمّد المصطفٰی ومن یھتدیہ اھتدی

ایمان، اسلام، کفر کے الفاظ جتنے ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے اَن پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں، اتنا ہی ان کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے۔ اور یہ صرف کفر و ایمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام متعارف اور زبان زد الفاظ جن کے معانی سمجھنے میں کسی بچہ کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا، جیسے ٹوپی، کرتہ، پاجامہ، جوتہ، مکان، میز، کرسی، لوٹا، گلاس وغیرہ، لیکن اگر انہیں الفاظ میں سے کسی لفظ کی جامع مانع تعریف کا سوال پیدا ہو تو بڑے سے بڑا ماہر چکرائے گا اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو تعریف کرے گا اُس میں یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کے مفہوم کے بعض افراد رہ گئے ہوں یا غیر مفہوم کے افراد اس میں داخل ہوگئے ہوں۔

علمائے سلف، مفسّرین، محدّثین، فقہاء و متکلمین نے ایمان و اسلام کی مکمل تعریف، پھر کفر کی تعریف اور اس کی اَقسام پر طویل مباحث اور مستقل رسالے لکھے ہیں۔ اس آخری دور میں مخزنِ علومِ اسلامیہ، سند العلماء، استاذ الاساتذہ سیّدی واستاذی حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ سابق صدرالمدرّسین دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک نہایت مکمّل اور مفصّل کتاب بنام "اِکـفـارُ

الـمُـلْـحِدِیْن" تصنیف فرمائی ہے، سببِ تصنیف یہ تھا کہ کفر کی ایک خاص قِسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں - اور یہی اس زمانہ کا کفرِ نفاق ہے - اس کو اسلام و ایمان سے ممتاز کرنا اور مسلمان اور زندیق میں فرق کرنا ہمیشہ غور طلب مسئلہ رہا ہے، اور اس زمانہ میں علومِ قرآن و حدیث سے عام ناواقفیت کی بناء پر یہ اور بھی مشکل ہوگیا، ملحدین اور زنادقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں اور مسلم معاشرہ کا جزء بنے رہیں اور مسلمانوں کے مارِ آستین بن کر ان کو ڈستے رہیں۔ بہت سے نیک دل مسلمان بھی اس فتنہ کا شکار ہونے لگے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو مسلمان سمجھنا چاہئے خواہ وہ عقائد و اعمال کچھ بھی رکھتا ہو، اور آج کل کے عرف میں اس کو سیاسی دانشمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ "اسلام" کسی حقیقت یا عقیدہ و نظریہ کا نام نہیں بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے، جس کا جی چاہے اپنے عقائد، اپنے خیالات، اپنے اعمال پر قائم رہتے ہوئے "مسلمان" ہوسکتا ہے، اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

اس فتنہ کے ہولناک نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن تھے وہ محتاجِ بیان تھے، اس لئے کفر کی اس قسم کو جو اسلام کے لباس اور اسلام کے دعویٰ کے ساتھ عمل میں آتی ہے پوری طرح واضح کرنا وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔

خصوصاً اس معاملہ میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں عوام سے گزر کر بعض خواص اہلِ علم بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں۔

الف:- عام طور پر فقہاء و علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ جو شخص کسی عقیدۂ کفریہ کا قائل ہو مگر صاف طور پر نہیں بلکہ تأویل کے ساتھ قائل ہو اس کو کافر نہ کہا جائے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص بھی دعوائے اسلام کے ساتھ کسی کافرانہ عقیدہ وقول کو اختیار کرتا ہے تو کسی نہ کسی تأویل کی آڑ لے کر ہی اختیار کرتا ہے، اس کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ کسی مدعیٔ اسلام کو کافر کہنا جائز نہ ہو، حالانکہ نصوصِ قرآن و حدیث

اس کے خلاف شاہد ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ فقہاء و متکلّمین کے اس متفقہ اصول کی وضاحت کی جائے کہ تأویل کے ساتھ کسی عقیدۂ کفریہ کا قائل ہونا موجبِ کفر نہیں۔

ب:- یہ مسئلہ بھی ایک صحیح وصریح حدیث سے ثابت اور علماء و فقہاء کے نزدیک مسلّمہ ہے کہ کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے، اس کا نتیجہ بھی بظاہر یہی نکلتا ہے کہ جو مدعیٔ اسلام کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے پھر خواہ وہ اللہ اور رسول کے بارے میں کیسے ہی غلط عقائد رکھتا ہو اور توہین کرتا ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔

یہ دونوں شبہات چونکہ علمی رنگ کے ہیں اس لئے اور بھی ضروری ہوا کہ ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، اس لئے حضرۃ الاستاذ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور ایسی بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی کہ اس سے پہلے کوئی کتاب اتنی جامع نظر نہیں آئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی اوّل تو یہ کتاب عربی زبان میں ہے، دوسرے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی اس رفعتِ علمی کی آئینہ دار ہے جس تک پہنچنے کے لئے خود ایک بڑا علم درکار ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو اس کے استفادہ سے محروم تھے ہی، روز بروز استعدادِ علمی کے تناقص نے اکثر اہلِ علم کو بھی محروم کردیا، اس تصنیف کے شائع ہونے کے بعد ہی سے بہت سے حضرات کا مطالبہ تھا کہ اس کے مضامین کو آسان ترتیب کے ساتھ سلیس اُردو میں لکھا جائے، بہت سے دوستوں نے احقر کو بھی اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی، اور خود بھی اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا۔

لیکن بحکمِ قضاء و قدر یہ کام آج تک تعویق میں پڑا رہا، اب جبکہ پاکستان میں قادیانی فتنہ نے نیا جنم لیا(۱) اور کفر و اسلام میں تلبیس کرنے والے پرانے شکاری

---

(۱) اور پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں مسلمان اور کافر اور اسلام اور کفر کی تعریف کے متعلق سوالات کئے گئے۔ ۱۲ منہ

نئے جال لے کر میدان میں آئے تو یہ مسئلہ اسلامیانِ پاکستان کے لئے پھر از سرِ نو معرکۂ بحث بن گیا، اس وقت ضرورت کا احساس دوچند ہوگیا، اور بنامِ خدا تعالیٰ زیرِ نظر اوراق کی کتابت شروع کی۔

اس میں استاذِ محترم کے تمام موادِ بحث اور تحقیقات کو پورا لے لیا گیا ہے مگر ترتیب و بیان سب اس ناکارہ کا ہے، اور استاذِ محترم کا روئے سخن چونکہ ایک خاص فتنہ اور خاص اعتراضات کے جواب کی طرف تھا اس لئے اسلام و ایمان یا کفر اور اس کی اَقسام کی پوری تحقیق اس کتاب میں نہ تھی، اس کا احقر نے اضافہ کیا اور کسی خاص فرقہ کے عقائد و خیالات کو مدارِ بحث بنائے بغیر عمومی اور کلّی طور پر مسئلۂ کفر و اسلام کو واضح کرنے کی کوشش کی اور اب الحمدللہ یہ کتاب مسئلۂ کفر و اسلام کی تمام تر ضروری مباحث پر حاوی اور ازالۂ شبہات کے لئے کافی ہوگئی ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ ولی التوفیق وھو بہ حقیق!

بناءِ پاکستان کے وقت مسئلۂ کفر و اسلام کے ساتھ ایک اور بحث کا دروازہ کُھلا کہ دنیا میں قوموں کی تقسیم و تفریق نسل و وطن اور رنگ و لسان کی بنیاد پر ہے یا مذہب یعنی کفر و اسلام کی بنیاد پر؟ پھر بناءِ پاکستان کے بعد بھی یہ بحث مختلف صورتوں سے سامنے آتی رہی، اس لئے شروع میں اس مسئلہ پر بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مختصر شذرہ لکھا گیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٥

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
مقیم کراچی، بمقام لاہور
جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ
جنوری ۱۹۵۴ء

مقدّمہ

ایک قوم کو دوسری قوم سے جُدا کرنے والے اُصول

تمام انسان اصل میں ایک قوم اور ایک ملت تھی، ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، اور انسانیت کے ابتدائی دور میں سب کے نظریات و عقائد اور معاشی و معاشرتی اُصول بھی ایک ہی تھے، سب ایک خدا کو ماننے والے اور اس کے اَحکام کو جو بذریعہ رسول ان تک پہنچے واجب الاتّباع سمجھنے والے تھے۔ پھر جوں جوں ان کے افراد دنیا میں پھیلتے گئے اور ایک دوسرے سے دوری ہوتی گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ دوری مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پوری زمین کے اَطراف پر حاوی ہوگئی تو معاشی اور معاشرتی اُصول میں فرق پڑا، بول چال میں اختلاف آیا، زبانیں مختلف ہوگئیں، اسی کے ساتھ عقائد و نظریات بھی متأثر ہوئے، خداپرستی کی جگہ مخلوق پرستی کا دروازہ کُھلا اور خدا کی مخلوق مختلف اقوام میں بٹ گئی اور قومیتوں کی جنگ شروع ہوگئی۔ اقوام کے باہمی تنازع کے ساتھ تعاون و تناصر کی ضرورت پیش آئی تو مختلف گروہوں نے مختلف اُصول پر اپنے اپنے اعوان و انصار بنائے، شروع میں آبادی کی چار سمت مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کے اُصول پر دنیا میں چار قومیں سمجھی گئیں، پھر زمین کی سات اقلیموں کی بنیاد پر سات قومیں مانی گئیں (ملل ونحل، شہرستانی ص:۲)، پھر کسی نے نسل و نسب کی بنیاد پر اپنی قوم کو یکجا کرکے دوسرے قبائل و انساب کے مقابلہ پر نبردآزما کردیا، کسی نے جغرافیائی اور وطنی یا لسانی بنیادوں پر لوگوں کو اپنی قوم

بنالیا، اور جو ان بنیادوں میں ان سے مختلف تھے ان کو جداگانہ اور حریف قوم قرار دیا۔ کسی نے نظریات و عقائد کو قومیت کی بنیاد بنا کر مخلوق پرستوں کو ایک قوم بنایا اور خالص خدا پرستوں کو حریف قوم قرار دیا۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلاح و فلاح کے لئے ہر قرن میں اور ہر اُمت میں اپنے انبیاء بھیجے:-

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ. (۲۴:۳۵)

ترجمہ:- ہر ایک اُمت میں (ہماری طرف سے) کوئی ڈرانے والا ہو گزرا ہے۔

ان سب انبیاء کی ایک ہی تعلیم تھی کہ یہ خودساختہ اختلافات ختم کر کے پھر ملتِ واحدہ بن جاؤ، مخلوق پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرو، نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں اور صرف معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب اور نعمتیں سمجھو، ان کو قومی تفرقہ کی بنیاد نہ بناؤ۔ جس کو کچھ ماننے والوں نے مانا اور بدبختوں نے انکار و مقابلہ کی راہ اختیار کی، جس سے کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

ہمارے رسول خاتم الانبیاء ﷺ بھی تمام انبیاء کی سنت کے مطابق یہی پیغام لائے، اور سب سے زیادہ مؤثر طریقہ پر اس کو پھیلایا۔ قرآن نے ایک طرف تو نسلی، وطنی اور لسانی امتیازات کو آیاتِ قدرت اور نعمائے الٰہیہ کہہ کر ان کا صحیح مقام بتلایا کہ وہ معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب ہیں، قومیتوں کی بنیادیں نہیں ہیں، ملاحظہ ہوں ارشاداتِ قرآنیہ:-

۱:- وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

لِّلْعٰلِمِيْنَ. (۲۲:۳۰)

ترجمہ:- اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے، بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے۔

۲:- وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. (۱۳:۴۹)

ترجمہ:- اور ہم نے تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم پہچانے جاؤ۔

اور دوسری طرف قدیم وحدت کو ازسرِنو قائم کرنے کی دعوت دی، آیتِ مذکورہ بالا سے پہلے ارشاد ہوا:-

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى .....الخ. (۱۳:۴۹)

ترجمہ:- اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا. (۱:۴)

ترجمہ:- تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کے جوڑے کو۔

رسولِ کریم ﷺ نے اپنی آخری عمر میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے جہاں اسلامی دستور کے اور بنیادی اُصول بتلائے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا:-

ایها الناس! ربکم واحد، لا فضل لعربی علٰی عجمی ولا لعجمی علٰی عربی، ولا لأحمر علٰی اسود ولا لأسود علٰی احمر الا بالتقویٰ ان اکرمکم عند اللہ

اتقاکم!

ترجمہ:- اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اسی طرح کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی تفوق حاصل نہیں، مگر تقویٰ کی وجہ سے۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

الغرض اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اور صوبجاتی اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو پھر ایک صحیح متحدہ قومیت کی طرف لائیں جو ان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تھی۔ اس کے لئے دو طریق اختیار کئے گئے۔

اوّل:- قومیتوں کی تقسیم و تفریق کی جو غلط بنیادیں نسلی، لسانی اور وطنی اُصول پر لوگوں نے بنالی تھیں، ان کو یکسر باطل قرار دیا، کیونکہ اگر ان بنیادوں پر قوموں کی تقسیم اور انسانیت کا تفرقہ تسلیم کرلیا جائے تو اوّلاً تو یہ خلافِ عقل ہے کہ کسی زمین یا کسی خاندان میں پیدا ہونے کی غیر اختیاری اور ضعیف وجہ سے کوئی شخص قومی اور اجتماعی معاملات میں دوسروں سے علیحدہ قوم سمجھا جائے۔ ثانیاً اگر انسان کی متحدہ قومیت میں اس کے تفرقے قبول کرلئے جائیں تو ان کو کسی وقت اور کسی حال میں مٹایا نہیں جاسکتا، جو شخص عرب یا عجم کے کسی خاندان میں پیدا ہوچکا ہے اب اس کے اختیار میں نہیں کہ دوسرے خاندان میں پیدا ہوجائے، اسی طرح جو ایشیا میں پیدا ہوا وہ یورپ میں دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ الغرض یہ جغرافیائی، وطنی، لسانی اور نسلی تفرقے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں، ان کا مٹانا نہ کسی کے اختیار میں ہے اور نہ کسی عقلمند کو ان کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ان امتیازات کی حد اور ان کا صحیح مقام پہنچاننا چاہئے کہ ان کی غرض صرف معاشی و معاشرتی سہولتیں ہیں اور بس!

قومیتوں کی جدائی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا طریق:- دعوتِ اتحاد کا یہ تھا کہ نظریات و عقائد کی بناء پر قومیت کی تفریق کا اُصول تو تسلیم ہے کہ خدا کے ماننے والے، اس کے منکروں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہوسکتے، بلاشبہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں گے وہ ماننے والوں سے علیحدہ دوسری ملت اور قوم قرار دیئے جائیں گے، قرآن نے اسی اُصول کی بناء پر فرمایا:-

خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ. (۶۴:۲)

ترجمہ:- اس نے تم کو پیدا کیا، سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن۔

نیز ارشاد ہوا:

إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا.

(۷۶:۳)

ترجمہ:- ہم نے بلاشبہ انسان کو راہ بتادی، خواہ وہ شکرگزار بنے یا ناشکرا۔

اور ایک جگہ اسی نظریاتی اور عقائد کے اختلافات کی بناء پر ایک گروہ کو "حزب اللہ" اور دوسرے کو "حزب الشیطان" کا لقب دیا۔

الغرض عقائد ونظریات کے اختلاف کو قوموں کے تفرقہ کا سبب اُصولی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے، پھر اس تفریق کو مٹانے کے لئے خدا پرستی کے اُصولِ صحیحہ اور عقائدِ حقہ کی اشاعت و تبلیغ اور مخلوق پرستی یا انکارِ خدا اور رسول جیسے عقائدِ باطلہ کے مفاسد اور ان کی دینوی و اخروی تباہ کاری کو بیان کرکے خلقِ خدا کو ان سے بچانے کی تدبیریں اختیار کیں اور نصیحت و ہمدردی کا کوئی پہلو اُٹھا نہیں رکھا، جس کے ذریعہ ناعاقبت اندیش انسانوں کو تباہی کی طرف جانے والے راستہ سے روکا نہ گیا ہو۔

لیکن بہت سے بدنصیب اور بے بصیرت انسانوں نے اس ہمدردی کو دشمنی سمجھا اور عداوت و پیکار پر آمادہ ہوگئے، جس کے نتیجے میں کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔ اب اگر کوئی شخص اس جنگ کو ختم کرنا چاہے تو اس کے دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ خدا پرست اہلِ حق اپنے نظریہ کو چھوڑ کر منکروں اور کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور خدا کی مخلوق کو منکرینِ خدا کے حوالہ کر دیں، یعنی دوسرے لفظوں میں شفیق ڈاکٹر بیمار کی غلط روش سے عاجز آکر اپنے ہاتھ سے اس کو زہر پلا دے۔

یا پھر یہ صورت ہے کہ غلط کار منکرینِ خدا و رسول اپنی روش سے باز آجائیں، ان دونوں طریق میں سے پہلا طریق تو معقول نہیں، اور دوسرا اپنے اختیار میں نہیں، اس لئے یہ کفر و اسلام کا اختلاف اس وقت تک جاری رہنا ناگزیر ہے جب تک کہ منکرینِ خدا و رسول یا ہوش میں آجائیں یا ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ اُصولِ صحیحہ اور عقائدِ حقہ پر مبنی ہے، جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزر نہ ہو، اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہوگئے وہ جدا قوم اور جدا ملت کہلائے، یہیں سے دو قومی نظریہ پیدا ہوگیا جس نے پاکستان بنوایا۔

ہندوستان میں جنگِ آزادی کا سلسلہ ایک زمانہ سے جاری تھا مگر اس کے بعض علمبرداروں نے نور و ظلمت کے متضاد عناصر یعنی کفر و اسلام سے مرکب ایک غلط متحدہ قومیت کا نامعقول اور ناقابلِ عمل نظریہ بنا رکھا تھا، چند علمائے ربانی اس نظریہ کی عین گرما گرمی کے وقت بھی مسلمانوں کی ہمیشہ اِسی دو قومی نظریہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے، مگر اس وقت یہ آواز نہ سنی گئی، اور بالآخر جنگِ آزادی کی بیل اسی وقت منڈھے چڑھی جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس صحیح دو قومی (ٹونیشن) نظریہ کی قائل ہو کر اور اسی کو بنیاد قرار دے کر میدانِ عمل میں اُتر آئی۔

پاکستان کے ہر باشندہ بلکہ دنیا کے سب مسلمانوں کو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور قائدِ اعظم اور ان کے رفقاءِ کار میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ شکرگزار رہنا چاہئے، جنھوں نے مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی اور اس کے نتیجے میں حق تعالیٰ نے ان کو ایک آزاد و خودمختار سلطنت بخشی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے کے اسباب دنیا میں مختلف سمجھے گئے تھے، لیکن اسلام نے اپنی تعلیمات سے واضح کر دیا کہ قوموں کی تفریق و تقسیم صرف ایک ہی اُصول، یعنی خدا کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر ہوسکتی ہے جس کا نام اسلام اور کفر ہے، دوسری کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانیت کے ٹکڑے کر کے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ مقدمہ ختم ہوا اب اس رسالہ کا اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے، واللہ الموفِق والمعین!

ایمان اور کفر کی تعریف

یہ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اور نہ ماننا نافرمانی کا، پھر خدا کی فرمانبرداری یعنی ”اس کی پسند و ناپسند کو پہچان کر پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنا“ اس دنیا میں بغیر اس کے عادۃً ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے والا رسول آئے جو اس کی پسند و ناپسند کو ممتاز کر کے بتلا دے، کیونکہ انسان محض اپنی عقل سے تو اپنے باپ، بھائی اور بیٹے اور دوست کی پسند و ناپسند کو بھی ممتاز نہیں کرسکتا جب تک کہ خود اس کے کلام یا طرزِ عمل سے اس کا اظہار نہ ہوجائے تو پھر حق تعالیٰ جس کی ذات انسانی ادراک و دسترس سے بالاتر ہے، اس کی پسند و ناپسند کا ادراک انسان محض اپنی عقل سے کیسے کرسکتا ہے؟ یہی حکمت ہے انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں بھیجنے کی۔

الغرض اس دنیا میں خدا کے ماننے کا صرف ایک طریق ہے کہ اس کے

رسول کی لائی ہوئی ہدایات کو دل اور زبان سے تسلیم کرے، اسی کا نام ''اسلام'' ہے، اور اس کی ہدایات کو تسلیم نہ کرنے کا ہی نام ''کفر'' ہے۔

مذہب کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ ایمان و کفر ہے، اس لئے قرآنِ کریم نے اپنی سب سے پہلی سورۃ (بقرہ) کی سب سے پہلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا، بلکہ پورے عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کردیا، مؤمن، کافر اور منافق، سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مؤمنین کی شان میں، اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں آئی ہیں، اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ یہ تین گروہ حقیقت میں دو ہی ہیں کیونکہ کافر اور منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے، لیکن منافقین کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہونے کی بناء پر ان کا بیان علیحدہ کیا گیا، چونکہ کفار کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک اور اشد ہے، اس لئے اس کے حالات کا بیان زیادہ تفصیل سے تیرہ آیتوں میں کیا گیا، یہ پوری انیس آیتیں ہوگئیں، ان میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:-

۱:- الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ. الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ، وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (۲:۱ تا ۵)

ترجمہ:- یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔ وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں

اس وحی پر جو آپ کی طرف اُتاری گئی اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری گئی اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

۲:- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (۲:۶،۷)

ترجمہ:- بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بند لگادیا اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

۳:- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ. (۲:۸)

ترجمہ:- اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر، حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔

''اَلْمُفْلِحُوْنَ'' تک چار آیتوں میں مؤمنین کا بیان ہے، اور اس کے بعد ''عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' تک کفار کا، اور اس کے بعد ''وَمِنَ النَّاسِ'' سے منافقین کا بیان شروع ہوا ہے، اور اس کے ضمن میں ایمان و کفر اور مؤمنین و کافر اور منافق کی تعریف بھی آگئی۔ ابتدائی چار آیتیں جو مؤمنین کے بارہ میں آئی ہیں ان میں اولاً مؤمن اور ایمان کا اجمالی ذکر کیا گیا، ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان

لاتے ہیں۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادیات مراد ہیں جو انسان کی نظر و مشاہدہ سے غائب ہیں، جیسے فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ، پلِ صراط اور میزانِ عدل وغیرہ۔

(تفسیر ابن کثیر وخازن وغیرہ)

اس اجمال میں لفظ "بالغیب" لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ ان کا ایمان حاضر و غائب یکساں ہے، ان کے مقابل فریق منافقین کی طرح نہیں جس کا حال اگلی آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ: "وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ." یعنی جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اس ایمانِ اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں مکمّل تعریف کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ." یعنی وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر بھی ایمان لائے اور آپ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی، اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں۔

ایمان کا سب سے پہلا جزء جو اللہ پر ایمان لانا ہے، اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ جب اللہ پر ہی کسی کا ایمان نہ ہو تو اس کے کسی رسول یا وحی پر ایمان لانے کے کوئی معنی ہی نہیں ہوسکتے، اور اسی سورۃ کے ختم پر جب مکرر ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی تو وہاں ایمان باللہ کو صریح اِن لفظوں میں ذکر بھی کردیا گیا:-

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ

رُّسُلِهٖ. (۲:۲۸۵)

عوام میں جو ایمانِ مجمل و مفصّل مشہور ہیں یہ غالبًا اسی پر مبنی ہیں، ایمانِ مجمل سورۂ بقرہ کی پہلی آیات سے، اور ایمانِ مفصّل اس کی آخری آیات سے لیا گیا ہے۔

پس آیتِ مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اُصول معلوم ہوئے ۱:- اللہ پر ایمان لانا۔ ۲:- رسول اللہ ﷺ اور انبیاءِ سابقین کی سب وحیوں پر ایمان لانا۔ ۳:- آخرت پر ایمان۔ اور یہی تین چیزیں درحقیقت ایمان کے اُصول ہیں، باقی سب فروع ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "فیصل التفرقة بين الاسلام والزندقة" میں لکھا ہے:-

أُصول الإيمان ثلثة: الإيمان بالله، وبرسوله، وباليوم الأخرة، وما عداه فروعٌ.

ترجمہ:- اس ایمان کے اُصول تین ہیں: اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے رسول پر ایمان، اور قیامت پر ایمان۔ اس کے ما سوا سب فروع ہیں۔

اور ان اُصول کو بھی کوئی اور مختصر کرنا چاہے تو صرف ایمان بالرسول میں سب اُصول آجاتے ہیں، کیونکہ جب تک اللہ پر ایمان نہ ہو اس کے رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا، اور رسول پر ایمان ہوجائے تو یومِ قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے، کیونکہ ایمان بالرسول سے ان تمام ہدایتوں پر ایمان لانا مراد ہے جو رسول نے پیش کی ہیں، اور ظاہر ہے ان ہدایتوں میں روزِ قیامت کی تصدیق بھی ایک بہت بڑی ہدایت ہے، اسی لئے ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:-

هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه بالضرورة.

ترجمہ:- ایمان رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے کا نام ہے، ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپؐ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہوجائے۔

فائدہ متعلقہ ختمِ نبوّت

اس آیت میں ایمان اور مؤمن کی تعریف کے ضمن میں ایک لطیف طریقہ پر یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ سلسلۂ نبوّت و رسالت و وحی رسالت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے، کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے ساتھ صرف انبیاءِ سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کی تلقین ہے، انبیاءِ مابعد کا کوئی ذکر نہیں، ظاہر ہے کہ اگر آپؐ کے بعد بھی کسی قسم کا تشریعی نبی مبعوث ہونے والا ہوتا تو جس طرح انبیاءِ سابقین کی وحی پر یقین کرنے کو جزوِ ایمان قرار دیا گیا اسی طرح انبیاءِ مابعد پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری تھا، بلکہ ایک حیثیت سے انبیاءِ مابعد کا ذکر بہ نسبت انبیاءِ سابقین کے زیادہ ضروری تھا کیونکہ انبیاءِ سابقین کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آچکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریحات وتوضیحات میں اس سے زیادہ آچکا ہے، اس کے متعلق اُمت کے گمراہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، بخلاف اس نبی کے جو آئندہ مبعوث ہونے والا ہوتا کہ اس کے حالات و علامات سے اُمت واقف نہیں اور اُمت کو بلاواسطہ اس سے سابقہ پڑنا تھا، اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر اُمت کی نجات یا ہلاکت کا دار و مدار ہوتا، ایسی حالت میں خدا کی آخری کتاب اور رؤف و رحیم نبی ﷺ کا فرض ہوتا کہ آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی پوری کیفیات و حالات و علامات کو ایسی طرح واضح کرتے کہ اس میں کسی اشتباہ و التباس کی گنجائش نہ رہتی، اور پھر اُمت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کے غیر مبہم اَحکام بکرّات و مرّات قرآن و حدیث میں مذکور ہوتے۔

مگر بجائے اس کے ہوا یہ کہ قرآن نے جہاں اُصولِ ایمان کا تذکرہ کیا تو انبیاءِ سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کو جزوِ ایمان کی حیثیت سے ذکر فرمایا، اور بعد میں مبعوث ہونے والے کسی نبی یا رسول کا یا اس کی وحی کا نام تک نہ لیا، پھر ایک جگہ نہیں قرآن میں دس سے زیادہ آیات اسی مضمون کی آئی ہیں، جن میں آپ سے پہلے آنے والی وحی پر ایمان لانے کی تاکید ہے، بعد کی کسی وحی یا نبی کا تذکرہ تک نہیں۔

یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی شہادت اس اَمر پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، صرف عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں آئیں گے، جو پہلے مبعوث ہوچکے ہیں، اور جن پر امتِ محمدیہ پہلے سے ایمان رکھتی ہے، لہٰذا کوئی نیا پیدا ہونے والا شخص اس اُمت کو اپنی نبوت و وحی کی طرف دعوت دے کر اُمت کے لئے مدارِ نجات نہیں بن سکتا، واللہ الموفِّق والمعین!

مؤمن و کافِر کی تعریف اور کُفر کی اَقسام

اس عنوان کا اگرچہ مجمل خاکہ عنوانِ اوّل کے ضمن میں آچکا ہے، لیکن پوری وضاحت کے لئے اس کی تشریح اس عنوان میں لکھی جاتی ہے، جس کا مبنیٰ وہی آیات ہیں جن کا ذکر عنوانِ اوّل میں آیا ہے، اور چونکہ اسلام و کفر کی تعریف میں چند اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ کی تعریفات پہلے لکھی جاتی ہیں۔

تعریفات

اِیمان:- رسول اللہ ﷺ کی قلبی تصدیق ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپؐ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہوچکا ہو، بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو۔

اِسلام:- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار،

بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان یعنی تصدیقِ قلبی موجود ہو۔

کُفر:- جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے، ان میں سے کسی امر کی تکذیب وانکار۔

مؤمن:- وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی دل سے تصدیق کرے ہر اس امر میں جس کا ثبوت آپؐ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ زبان سے بھی اس تصدیق کا اور اطاعت کا اقرار کرے۔

مسلمان:- وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرے، بشرطیکہ دل میں بھی ان کی تصدیق رکھتا ہو۔

کافر:- وہ شخص جو ان میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کردے۔

اسلام وایمان اور مسلم ومؤمن میں فرق

لغۃً ''ایمان'' تصدیقِ قلبی کا نام ہے، اور ''اسلام'' اطاعت وفرمانبرداری کا، ایمان کا محل قلب ہے، اور اسلام کا محل قلب اعضاء وجوارح ہیں، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کرلینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

الغرض لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان واسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں، اور قرآن وحدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان واسلام کے اختلاف کا ذکر بھی ہے، لیکن خود قرآن وحدیث کی ہی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً

کوئی ایمان بدوں اسلام کے یا اسلام بدوں ایمان کے معتبر نہیں۔ اسی مضمون کو بعض اہلِ تحقیق نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایمان واسلام کی مسافت تو ایک ہے، فرق مبدء اور منتہیٰ میں ہے، ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے، اور اسلام ظاہر سے شروع ہوکر قلب پر منتہی ہوتا ہے، اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار وغیرہ تک نہ پہنچے تو وہ تصدیقِ ایمان معتبر نہیں، اسی طرح ظاہری اقرار واطاعت اگر تصدیقِ قلبی تک نہ پہنچے وہ اسلام معتبر نہیں، (افادہ الاستاذ العلامہ مولانا انورشاہ قدس سرہٗ)۔

اب جب ایمان واسلام کا لغوی اور شرعی مفہوم متعین ہوگیا تو مؤمن ومسلم کا مفہوم بھی ظاہر ہوگیا، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس میں امام غزالیؒ اور امام سبکیؒ کی یہی تحقیق لکھی ہے جو اوپر گزر چکی، امام سبکیؒ کے چند جملے یہ ہیں:-

الاسلام موضوع للانقياد الظاهر مشروطًا فيه الايمان، والايمان موضوع للتصديق الباطن مشروطًا فيه القول عند الامكان. (فتح الملهم ج:۱ ص:۱۵۱)

ترجمہ:- اسلام موضوع ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کے لئے، مگر اس میں ایمان شرط ہے۔ اور ایمان موضوع ہے باطنی تصدیق کے لئے، مگر اس میں زبان سے کہنا بھی شرط ہے بوقتِ امکان۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمامؒ شارحِ ہدایہ نے اپنی عقائد کی مستند ومشہور کتاب اور اس کی شرح ''مسامرۃ'' میں امتِ محمدیہ کا اتفاق اس پر نقل فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

وقد اتفق اهل الحق وهم فريقا الاشاعرة والحنفية على تلازم الايمان والاسلام بمعنى انه لا

ایمان یعتبر بلا اسلام، وعکسه ای لا اسلام یعتبر بدون ایمان فلا ینفک احدهما عن الأخر.

(ج:۲ ص:۱۸۶طبع مصر)

ترجمہ:- اور اہلِ حق نے اتفاق کیا ہے اور وہ دونوں گروہ اشاعرہ اور حنفیہ ہیں، کہ ایمان اور اسلام باہم متلازم ہیں، یعنی ایمان بلا اسلام کے معتبر نہیں، اور نہ اس کا عکس، یعنی نہ اسلام بلا ایمان کے معتبر، پس ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

ثبوتِ قطعی

جو چیز آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے، اس کا ثبوت ''قطعی'' ہے، جیسے قرآن، نمازوں کی تعداد، تعدادِ رکعات اور رکوع و سجود وغیرہ کی کیفیات، اذان، زکوٰۃ کی تفصیلات، حج اور اس کی بہت سی تفصیلات، آنحضرت ﷺ پر ختمِ نبوت وغیرہ۔

تواتر کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر ہم تک ہر قرن، ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلطی یا کذب پر متفق ہوجانا عقلاً محال سمجھا جاتا ہو۔

ثبوتِ بدیہی

جس کو عرفِ فقہاء اور متکلمین میں ضروری یا بالضرورۃ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت تمام خاص و عام مسلمانوں میں اس درجہ ہوجائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا، اذان کا سنّت ہونا، اور نبوّت کا آنحضرت ﷺ پر ختم ہوجانا وغیرہ۔

ضروریاتِ دین

جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے بذریعۂ تواتر اس درجہ شہرت و بداہت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو، ان کو فقہاء اور متکلمین کی اصطلاح میں ''ضروریاتِ دین'' کہا جاتا ہے۔

تنبیہ:- ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق وتسلیم کا نام ہے، جن کا ذکر اوپر تعریف میں آچکا ہے، لیکن کفر میں ان سب چیزوں کا انکار یا تکذیب ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے، خواہ باقی سب چیزوں کو صدقِ دل سے قبول کرتا ہو، اسی لئے ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت ہے، اور کفر کی بہت سی اقسام ہوگئی ہیں، جن میں سے دو بنیادی قسمیں تو قرآن کی مذکورہ آیات سورۂ بقرہ میں بیان کردی گئیں، ایک کفرِ ظاہر اور دوسرے کفرِ نفاق، باقی اَقسام کی تفصیل وتشریح اب بیان کی جاتی ہے، واللہ الموفِق والمعین!

کفر اور کافر کی اَقسام

اس رسالہ کا اصل موضوعِ بحث یہی مضمون ہے، جیسا کہ تمہید میں لکھا جاچکا ہے۔

مذکور الصدر تفصیل میں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ کفر، تکذیبِ رسول کا نام ہے، پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں اور ان صورتوں کے اختلاف ہی سے کفر کی چند اَقسام بن جاتی ہیں جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "**فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ**" نیز اپنی کتاب "**الاقتصاد فی الاعتقاد**" میں، اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں اور امام بغویؒ نے آیت: "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ" الآیہ، کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، نیز علمِ عقائد وکلام کی مستند کتب شرحِ مواقف، شرحِ مقاصد میں بھی ان کا تفصیلی ذکر ہے، ان اَقسامِ تکذیب کا خلاصہ یہ ہے:-

۱:- ایک تکذیب کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم نہ کرے، جیسے بت پرست، یہود اور نصاریٰ۔

۲:- دوسری یہ کہ رسول تسلیم کرنے کے بعد آپؐ کے کسی قول کو صراحۃً غلط یا جھوٹ قرار دے یعنی آپؐ کی بعض ہدایات پر ایمان رکھے اور بعض کی تکذیب کرے۔

۳:- تیسری یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول یا فعلِ رسول کو یہ کہہ کر رَد کردے کہ

یہ آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل نہیں ہے، یہ بھی درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

۴:- چوتھی صورت یہ ہے کہ قول وفعل کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تأویل کرکے قرآن وحدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خودساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ کفر وتکذیب کی یہ صورت چونکہ دعوائے اسلام اور ادائیگیٔ شعائرِ اسلام کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے اس میں اکثر لوگوں کو بہت مغالطہ پیش آتا ہے، خصوصاً جب اس پر نظر کی جائے کہ تأویل کے ساتھ انکار کرنا باتفاقِ علماء تکذیب میں داخل نہیں اور ایسے شخص کو کافر بھی نہیں کہا جاسکتا، اور ظاہر ہے کہ ملحدین بھی کسی تأویل کا سہارا ضرور لیتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تشریح وتوضیح زیادہ ضروری ہے تاکہ تأویل اور الحاد میں فرق معلوم ہوسکے اور معلوم ہوجائے کہ تأویل کے محل میں تأویل موجبِ کفر نہیں مگر الحاد وزندقہ کی تأویل بالاجماع موجبِ کفر ہے، اس لئے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

کفر، زندقہ والحاد

تکذیب کی چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں "الحاد"، اور حدیث میں "الحاد" و "زندقہ" کے نام سے موسوم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا، اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ. (۴۰:۴۱) الآیۃ. **عن ابن عمر قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "سیکون فی ھذہ الامۃ مسخ الا وذلک فی المکذّبین بالقدر والزندیقیۃ." اخرجہ الامام احمد فی مسندہ ج: ۲ ص: ۱۰۸ وقال فی الخصائص: سندہ صحیحٌ. وفی منتخب کنز العمال**

ج:٦ ص: ٥٠ مرفوعًا ما يفسرها."

ترجمہ:- جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں، کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو امن کے ساتھ آئے گا قیامت کے دن۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ: ''عنقریب اس اُمت میں مسخ ہوگا، اور سن رکھو! کہ وہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا، اور زندیقین میں۔'' اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اور خصائص میں کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ اور منتخب کنز العمال میں مرفوعاً ایک روایت ہے جو اس کی تفسیر کرتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی تکذیب کے متعلق صحیح بخاری میں ایک مستقل باب لکھا ہے: "باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ" اس باب میں اس قسم کی تکذیب کو بھی ارتداد قرار دیا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ نے مسوّیٰ شرح مؤطا میں اس قسم کی تکذیب کے متعلق لکھا ہے:-

وان اعترف به ظاهرًا ولكن يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو زنديق كما اذا اعترف بان القرآن حق وما فيه من ذكر الجنة والنار حق، لكن المراد بالجنة الابتهاج الذى يحصل بسبب الملكات المحمودة، والمراد بالنار هى الندامة التى يحصل بسبب الملكات المذمومة وليس فى الخارج جنة ولا نار، فهو زنديق! (مسوّیٰ شرح مؤطا ج:۲ ص:۱۳۰)

ترجمہ:- اور اگر اقرار کرے اس کا ظاہری طور پر، لیکن دین کی بعض ان چیزوں کی جو ثابت ہیں، ایسی تفسیر بیان کرے جو صحابہؓ اور تابعین اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہو، تو وہ زندیق ہے۔ مثلاً: یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے اور جو اس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن جنت سے مراد وہ خوشی و فرحت ہے جو اخلاقِ حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے، اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو اخلاقِ مذمومہ کے سبب حاصل ہوتی ہے، ویسے کوئی نہ جنت ہے، نہ دوزخ، پس یہ شخص ''زندیق'' ہے!

تأویل اور تحریف میں فرق

ثم التأويل تأويلان، تأويل لا يخالف قاطعًا من الكتاب والسنّة واتفاق الامّة، وتأويل يصادم ما ثبت بقاطع فذلك الزندقة، فكل من انكر رؤية الله تعالٰى يوم القيامة، او انكر عذاب القبر وسوال المنكر والنكير، او انكر الصراط والحساب، سواء قال: لا اثق بهؤلاء الرُّواة، او قال: اثق بهم لكن الحديث مأوَّل، ثم ذكر تأويلًا فاسدًا لم يسمع من قِبَله، فهو الزنديق. او قال: ان النبى صلى الله عليه وسلم خاتم النبوة، ولكن معنى هٰذا الكلام انه لا يجوز ان يسمّٰى بعدهٗ احدٌ بالنبى، واما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثًا من الله تعالٰى الى الخلق مفترض الطاعة معصومًا من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجودةٌ فى

الائمة بعده، فذلک الزندیق!

(از تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

ترجمہ:- پھر تأویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تأویل تو وہ ہے جو کتاب وسنّت اور اتفاقِ اُمت کی کسی قطعی بات کی مخالف نہیں، اور ایک تأویل وہ ہے جو ان مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی حکمِ قطعی کی مصادم ہو، پس یہ شکل ثانی "زندقہ" ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا منکر ہو قیامت کے روز یا عذابِ قبر کا منکر ہو، اور منکر اور نکیر کے سوال کا منکر ہو یا پل صراط اور حساب کا منکر ہو، خواہ وہ یوں کہے کہ: "مجھے ان راویوں پر اعتبار نہیں!" اور یا یوں کہے کہ: "ان راویوں کا تو اعتبار ہے مگر حدیث کے معنی دوسرے ہیں"، اور یہ کہہ کر ایسی تأویل بیان کرے جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی، پس وہ "زندیق" ہے۔ یا یوں کہے کہ: "نبی اکرم ﷺ خاتم النبوۃ ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد کسی شخص کا نام "نبی" رکھنا جائز نہیں، مگر نبوۃ کے معنی اور مصداق، یعنی انسان کا خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا مخلوق کی طرف، کہ اس کی اطاعت فرض اور وہ گناہوں سے معصوم ہو، اور اس بات سے معصوم ہو کہ اگر اس کی رائے میں غلطی ہو تو وہ اس پر باقی رہے، تو یہ معنی اور مصداق آپؐ کے بعد ائمہ میں موجود ہیں" پس یہ شخص "زندیق" ہے!

تکذیبِ رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام "زندقہ" و "الحاد" ہے، درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے، اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبکہ سلسلۂ وحی منقطع ہوگیا اور کسی شخص کے دل میں

چھپے ہوئے کفر ونفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے تو اب منافق صرف ان ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا اعمال ایسے سرزد ہوجائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کریں، زندقہ والحاد اسی کی ایک مثال ہے، اور اِسی لئے عمدۃ القاری شرحِ بخاری میں اور تفسیر ابنِ کثیر میں آیت: "فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ" (بقرہ) کے تحت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

المنافق فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الزندیق الیوم. (تفسیر ابن کثیر ج:۱ ص:۴۶ طبع مصر)

یعنی آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے دل میں کفر ونفاق کتنا ہی چھپا ہو، لیکن ہمارے پاس اس کا ذریعۂ علم نہ ہونے کے باعث ہم اس کو کافر یا منافق نہیں کہہ سکتے، اب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے جس کو زندقہ کہتے ہیں۔

یعنی دعوائے اسلام اور شرائعِ اسلام کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدۂ کفریہ رکھنا یا ضروریاتِ دین میں تأویلِ باطل کرکے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو کہ اُمت کے مسلّم امام ہیں اور تمام اسلامی فرقے ان کی امامت کے قائل ہیں، خدا بخش قادیانی نے اپنی کتاب "عسلِ مصطفیٰ" میں جس کو مرزا غلام احمد نے حرفاً حرفاً سن کر تصدیق کی ہے، صفحہ:۱۶۴ پر مجددینِ اسلام کی فہرست لکھتے ہوئے امام غزالیؒ کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے) مسئلہ کفر وایمان میں الحاد وزندقہ کی شدید مضرت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرماکر ایک مستقل کتاب "**التفرقة بین الاسلام والزندقة**" تصنیف فرمائی، جس میں قرآن وسنت اور عقل ونقل سے واضح کردیا کہ تأویل اور الحاد میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ زنادقہ وملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں، وہ دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں، نیز کسی مدعیٔ اسلام کے کافر قرار

دینے میں جو احتیاط لازم ہے اس کے پیشِ نظر امامِ موصوف نے اس کتاب میں ایک زرّیں وصیت اور ضابطہ بیان فرمایا ہے، اس کو مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے۔

فصل:- اعلم ان شرح ما يكفر به وما لا يكفر به يستدعى تفصيلًا طويلًا يفتقر الى ذكر كل المقالات والمذاهب وذكر شبهه كل واحدٍ ودليله ووجه بُعده عن الظاهر ووجه تأويله وذلك لا تحويه مجلدات وليس يسع لشرح ذلك اوقاتى فاقتنع الآن بوصية وقانون. امّا الوصية فان تكف لسانك عن اهل القبلة ما امنك ما داموا قائلين لا اله الا الله محمد رسول الله غير مناقضين لها، والمناقضة تجويزهم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم بعذر او غير عذر فان التكفير فيه خطر والسكوت لا خطر فيه.

واما القانون فهو ان تعلم ان النظريات قسمان، قسم يتعلق باصول العقائد، وقسم يتعلق بالفروع، واصول الايمان بالله وبرسوله وباليوم الأخر وما عداه فروع. (واعلم ان الخطاء فى اصل الامامة وتعيّنها وشروطها وما يتعلق بها لا يوجب شيء منه تكفيرًا، فقد انكر ابن كيسان اصل وجوب الامامة ولا يلزم تكفيره يتلفت الى قوم يعظمون امر الامامة ويجعلون الايمان بالامام مقرونا بالايمان بالله وبرسوله والى خصومهم المكفّرين لهم بمجرد مذهبهم فى الامامة وكل ذلك اسراف اذ ليس فى واحد من القولين تكذيب الرسول صلى الله

عليه وسلم اصلا) ومهما وجد التكذيب وجب التكفير وان كان فى الفروع فلو قال قائل مثلًا البيت الذى بمكة ليس هى الكعبة التى امر الله بحجها، فهذا كفر اذ ثبت تواترًا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لذالك البيت بانه الكعبة، ينفعه انكاره بل يعلم قطعًا انه معاند فى انكاره (الا ان يكون قريب عهد بالاسلام ولم يتواتر عنده ذلك) وكذلك من نسب عائشة رضى الله عنها الى الفاحشة وقد نزل القرآن ببرآئتها فهو كافر لان هذا وأمثاله لا يمكن الا بتكذيب او انكار والتواتر ينكره الانسان بلسانه ولا يمكنه ان يجهله بقلبه. نعم لو انكر ما ثبت باخبار الاحاد فلا يلزمه به الكفر ولو انكر ما ثبت بالاجماع فهذا فيه نظر لان معرفة كون الاجماع حجة مختلف فيه فهذا حكم الفروع واما الاصول الثلثة فكل ما لم يتحمل التأويل فى نفسه وتواتر نقله ولم يتصور ان يقوم برهان على خلافه فخلافه تكذيب محض ومثاله ما ذكرناه من حشر الاجساد والجنّة والنّار واحاطة علم الله تعالى بتفاصيل الامور وما يتطرق اليه احتمال ولو بالمجاز البعيد فينظر فيه الى برهان فان كان قاطعًا وجب القول به لكن ان كان فى اظهاره مع العوام ضرر لقصور فهمهم فاظهاره بدعة وان لم يكن البرهان قاطعًا يعلم ضرورة فى الدين كنفى المعتزلة للرؤية عن البارى تعالى فهذا

بدعة وليس يكفر واما ما يظهر لهٔ ضرر فيقع في محل
الاجتهاد والنظر فيحتمل ان يكفر ويحتمل ان لا يكفر.

(ثم قال) ولا ينبغي ان نظن ان التكفير ونفيه
ينبغي ان يدرك قطعًا في كل مقام بل التكفير حكم
شرعي يرجع الٰى اباحة المال وسفك الدم او الحكم
بالخلود في النار فمأخذه كمأخذ سائر الاحكام
الشرعية تارة يدرك بيقين وتارة بظن غالب وتارة
يتردد فيه ومهما حصل التردد فالتوقف في التكفير
اَولٰى والمبادرة الى التكفير انما يغلب على طباع من
يغلب عليهم الجهل.

ولا بد من التنبيه بقاعدة اخرىٰ فهو
ان المخالف قد يخالف نصًّا متواترًا ويزعم انه مؤوّل
ولكن تأويله لا انقداح له اصلا في اللسان لا علٰى قرب
ولا علٰى بُعدٍ فذٰلك كفر وصاحبه مكذب وان كان
يزعم انه مؤوّل.

ترجمہ:- جاننا چاہئے کہ اس بات کی شرح کرنے کے
لئے کہ کیا چیزیں موجبِ تکفیر ہیں اور کیا نہیں؟ بہت تفصیل
طویل درکار ہے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے تمام مقالات و
مذاہب کے ذکر کرنے کی اور ہر ایک کا شبہ اور اس کی دلیل، اور
اس کی بُعد کی وجہ ظاہر سے، اور اس کی تأویل کی وجہ کی، اور یہ
متعدد جلدوں میں بھی نہیں سما سکتا، اور نہ اس کی شرح کے لئے
میرے وقت میں گنجائش ہے، اس لئے میں اس وقت ایک

قانون اور ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں۔

وصیّت:- سو وصیت تو یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو اہلِ
قبلہ کی تکفیر سے روکو جب تک ممکن ہو، یعنی جب تک وہ "لا الٰہ الا
اللہ محمد رسول اللہ" کے قائل رہیں، اور اس سے مناقضہ نہ کریں،
اور مناقضہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے کسی حکم کے
غلط اور جھوٹ ہونے کو جائز سمجھیں خواہ کسی عذر سے یا بغیر عذر
کے، کیونکہ تکفیر میں تو خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

ضابطۂ تکفیر:- اور قانون یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا
چاہئے کہ نظریات کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جو اُصولِ
عقائد سے متعلق ہے، اور دوسری وہ ہے جو فروع کے متعلق
ہے۔ اور ایمان کے اُصول تین ہیں، اوّل:- اللہ پر ایمان لانا،
دوم:- اس کے رسول پر بھی، سوم:- قیامت کے دن پر۔ اور ان
کے علاوہ جو ہیں فروع ہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ خطاء (غلطی)
امامت کی اصل اور اس کے تعین اور اس کی شروط وغیرہ میں جیسا
کہ روافض و خوارج میں پائی جاتی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی
موجبِ تکفیر نہیں ہے، کیونکہ ابن کیسان نے امامت کے اصل
وجوب ہی کا انکار کیا ہے، اور انہیں لازم ہے اس کی تکفیر، اور
نہیں التفات کیا جائے گا اس قوم کی طرف جو امامت کے معاملہ
کو عظیم سمجھتے ہیں اور امام کے ساتھ ایمان لانے کو خدا و رسول
کے ساتھ ایمان لانے کے برابر کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے
مخالفین کی طرف التفات کیا جائے گا، جو ان کی تکفیر کرتے ہیں
محض اس لئے کہ وہ مسئلہ امامت میں اختلاف رکھتے ہیں، یہ

سب حد سے گزرنا ہے کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی میں
بھی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی، اور جس
جگہ تکذیب پائی جائے گی تو تکفیر ضروری ہوگی اگرچہ وہ فروع ہی
میں ہو، مثلاً: کوئی شخص یوں کہے کہ جو گھر مکہ معظمہ میں ہے، وہ
وہ کعبہ نہیں ہے جس کے حج کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو یہ کفر
ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ اس کے خلاف
ثابت ہے، اور اگر وہ اس امر کا انکار کرے اور کہے کہ حضور ﷺ
نے اس گھر کے کعبہ ہونے کی شہادت ہی نہیں دی تو اس کا انکار
اس کو نافع نہ ہوگا، بلکہ اس کا اپنے انکار میں معاند ہونا قطعی طور
پر معلوم ہوجائے گا، بجز اس کے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو اور یہ
بات اس کے نزدیک ابھی حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔ اور اسی طرح جو
شخص حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھے،
حالانکہ قرآن مجید میں ان کی برأت نازل ہوچکی تو وہ بھی کافر
ہے، کیونکہ یہ اور اس جیسی باتیں بغیر تکذیب اور انکار کے ممکن
نہیں، اور تواتر کا کوئی انسان زبان سے خواہ انکار کردے مگر یہ
ناممکن ہے کہ اس کا قلب اس سے ناآشنا ہو، ہاں! البتہ اگر کسی
ایسے امر کا انکار کرے جو خبرِ واحد سے ثابت ہے تو اس سے کفر
لازم نہ آئے گا، اور اگر کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو کہ اجماع
سے ثابت ہے تو اس میں ذرا تأمل کی ضرورت ہے، کیونکہ اجماع
کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے، تو اس کا حکم فروع کا ہوگا، اور اُصولِ
ثلاثہ کے متعلق یہ ہے کہ جو فی نفسہٖ تأویل کو محتمل نہیں اور اس کی
نقل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے خلاف کسی دلیل کے

قائم ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا، سو اس کی مخالفت کرنا تو تکذیب
ہے، اور اس کی مثال وہی ہے جو ذکر ہوچکی ہے یعنی حشر و نشر اور
جنّت و دوزخ اور حق تعالیٰ کے علم کا تمام اُمور کی تفصیلات پر محیط
ہونا، اور جو اس میں سے ایسے ہیں کہ ان میں احتمال کی راہ ہے،
اگرچہ مجازِ بعید ہی کے طریق پر ہو، تو اس میں دلیل کی طرف
دیکھا جائے گا، پس اگر دلیل قطعی ہو تب تو اس کا قائل ہونا
واجب ہے، لیکن اگر اس کے ظاہر کرنے میں عوام کا ضرر ہو بوجہ
ان کے قصورِ فہم کے، تب تو اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے، اور اگر
دلیلِ قطعی نہ ہو جیسے معتزلہ کا رؤیتِ باری سے انکار کرنا، پس یہ
بدعت ہے اور کفر نہیں ہے، اور وہ چیز جس کا ضرر ظاہر ہو تو وہ
مقامِ اجتہاد میں واقع ہوجائے گی، پس ممکن ہے کہ اس کی وجہ
سے تکفیر کی بھی جاوے اور ممکن ہے کہ تکفیر نہ بھی کی جائے۔
(پھر آگے چل کر فرمایا ہے) اور یہ مناسب نہیں کہ تم
یہ خیال کرلو کہ تکفیر اور عدمِ تکفیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ
یقینی طور پر معلوم ہوجائے، بلکہ بات یہ ہے کہ تکفیر ایک حکمِ شرعی
ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اس سے اباحتِ مال اور خون کا ہدر ہونا یا
خلود فی النار کا حکم لازم آتا ہے، سو اس کا منشا بھی دوسرے احکامِ
شرعیہ کے منشا کی طرح ہے کہ کبھی تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا
ہے، اور کبھی ظنِ غالب کے ساتھ اور کبھی تردّد کے ساتھ، اور
جب تردّد ہو تو تکفیر میں توقف کرنا بہتر ہے، اور تکفیر میں جلدی
کرنا ان ہی طبیعتوں پر غالب ہوتا ہے جن پر جہل کا غلبہ ہے۔
اور ایک اور قاعدہ پر بھی تنبیہ کردینا ضروری ہے، وہ یہ

کہ مخالف کبھی کسی نصِ متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ مؤوّل ہے، لیکن اس کی تأویل ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی زبان میں نہ قریب نہ بعید، تو یہ کفر ہے اور ایسا شخص مکذب ہے اگرچہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ مؤوّل ہے۔"

آخر میں کچھ اور اسی قسم کی تأویلاتِ باطلہ کا بیان کر کے لکھا:-

فامثال ھذا المقالات تکذیبات عبر عنھا بالتأویلات.

ترجمہ:- پس اسی جیسی باتیں تکذیبات جن کا نام تأویلات رکھ لیا گیا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مفصّل تحریر سے واضح ہوگیا کہ قرآن وحدیث میں ایسی تأویلاتِ باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں اور اُمت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہوجائے، ایسی تأویل بھی تکذیبِ رسول ہی کے حکم میں ہے، جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

ائمۂ اسلام کی مزید شہادتیں

زندقہ کے کفر ہونے پر

اس میں سب سے پہلی اور سب سے قوی شہادت، حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا وہ اجماع ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد، مانعینِ زکوٰۃ کو "مرتد" قرار دے کر، ان سے جہاد کرنے پر ہوا، حالانکہ یہ سب لوگ نماز، روزہ اور تمام شعائرِ اسلام کے پابند تھے، صرف ایک حکمِ شرعی "زکوٰۃ" کا انکار کرنے سے باجماعِ صحابہ "کافر" قرار دیئے گئے، حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:-

وفیھم من الردّۃ عن شرائع الاسلام بقدر ما

ارتد عنه من شعائر الاسلام اذ کان السلف قد سموا مانعی الزکوٰۃ مرتدین مع کونھم یصومون ویصلّون.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۴ ص:۲۹۱)

ترجمہ:- ان لوگوں میں شعائرِ اسلام سے مرتد ہونا پایا جاتا ہے، کیونکہ ایک شعارِ اسلام (زکوٰۃ) کے منکر ہیں، کیونکہ سلف نے ان کا نام "مرتدین" رکھا ہے، اگرچہ یہ نماز بھی پڑھتے تھے اور روزے بھی رکھتے تھے۔

دوسری شہادت، صحابہ کرام ؓ کا وہ اجماع ہے جو "مسیلمہ کذّاب" کے کفر وارتداد اور اس کے مقابلہ میں جہاد پر ہوا، حالانکہ وہ اور اس کی پوری جماعت کلمہ کی قائل، اور حسبِ تصریح تاریخ ابنِ جریر طبری ج:۳ ص:۲۴۴، اپنی اذانوں میں "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کی شہادت مناروں پر پکارنے والے اور نماز، روزہ کے پابند تھے، مگر اس کے ساتھ وہ آیت "خاتم النبیین" اور حدیث "لا نبی بعدی" میں قرآن وحدیث کی تصریحات اور اُمت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف تأویلات کر کے "مسیلمہ کذّاب" کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نبوّت کا شریک مانتے تھے۔

صحابہ کرام ؓ نے باجماع واتفاق ان کو کافر قرار دیا اور ان سے جہاد کرنا ضروری سمجھا، اور خالد بن ولید ؓ کی اِمارت میں صحابہ کرام ؓ کا عظیم الشان لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوا، مسیلمہ کذّاب کے پیروؤں میں سے چالیس ہزار مسلح جوان مقابلہ پر آئے، معرکہ نہایت سخت ہوا، صحابہ کرام ؓ کے لشکر میں سے بارہ سو حضرات شہید ہوئے اور مسیلمہ کے لشکر سے اٹھائیس ہزار آدمی مارے گئے اور خود مسیلمہ بھی مارا گیا۔ (تاریخِ طبری)

جمہور صحابہ ؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا اور نہ کسی نے یہ کہا کہ: "یہ لوگ کلمہ گو، اہلِ قبلہ ہیں، ان کو کیسے کافر کہا جائے؟" نہ کسی کو اس کی فکر

ہوئی کہ اسلامی برادری میں سے اتنی بڑی اور قوی جماعت کم ہوجائے گی، اسی لئے عام کتبِ عقائد میں اس مسئلہ کو ''اجماعی مسئلہ'' قرار دیا گیا ہے، ''جوہرۃ التوحید'' میں ہے:-

ومن لمعلوم ضروری جحد من دیننا یقتل کفرا لیس حد.

وقال شارحہ ان ھذا مجمع علیہ وذکر ان الماتریدیۃ یکفرون بعد ھذا بانکار القطعی وان لم یکن ضروریا.

ترجمہ:- جو شخص کسی قطعی بدیہی حکم کا انکار کرے اس کو بوجہ کافر ہوجانے کے قتل کیا جائے گا، بطورِ حد کے نہیں۔

اور اس کتاب کی شرح میں ہے کہ اس بات پر اُمت کا اجماع ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ علماء ماتریدیہ مطلقاً قطعی حکم کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں خواہ بدیہی نہ ہو۔

اور حافظِ حدیث امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اقامۃ الدلیل'' میں اجماع کو سب سے بڑی قطعی دلیل قرار دیا ہے:-

واجماعھم حجۃ قاطعۃ یجب اتباعھا بل ھی اوکد الحجج وھی مقدمۃ علیٰ غیرھا.

(اقامۃ الدلیل ج:۳ ص:۱۳۰)

ترجمہ:- اور اُمت کا اجماع حجتِ قاطعہ ہے، جس کا اتباع واجب ہے، بلکہ وہ تمام حجتوں سے زیادہ مؤکد ہے، اور وہ غیر اجماع پر مقدم ہے۔

ائمۂ اسلام، مفسّرین، محدّثین، فقہاء اور متکلمین سب کے سب اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ ضروریاتِ دین یعنی اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل میں سے کسی

مسئلہ میں تأویلاتِ باطلہ کرکے اس کو اس مفہوم اور صورت سے نکالنا جو قرآن وحدیث میں مصرّح ہے، اور جمہور اُمت وہی مفہوم سمجھتی آئی ہے، درحقیقت قرآن وحدیث اور عقائدِ اسلام کی تکذیب کرنا ہے، علمِ عقائد کی مشہور ومستند کتاب ''مقاصد'' میں کفر اور کافر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:-

وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظھارہ شعائر الاسلام یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق.

ترجمہ:- اور اگر کوئی ایسا ہو کہ نبی کریم ﷺ کی نبوّت کے اقرار کے ساتھ ساتھ، اور شعائرِ اسلام کے اظہار کے باوجود ایسے عقائد پوشیدہ رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو ''زندیق'' کے نام سے خاص کیا جاتا ہے۔

ردالمحتار میں علّامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کی تشریح میں فرمایا ہے:-

فان الزندیق یموہ بکفرہ ویروج عقیدتہ الفاسدۃ ویخرجھا فی الصورۃ الصحیحۃ وھذا معنی ابطانہ الکفر فلا ینافی الجھار والدعویٰ الی الضلال.

(ج:۳ ص:۲۹۶)

ترجمہ:- کیونکہ زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر کے ساتھ اور اپنے فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے، اور نکالتا ہے اس کو صحیح صورت میں، اور یہی معنی ہیں ''ابطانِ کفر'' کے، پس وہ ''جہار'' (یعنی کھلم کھلا کفر) کے منافی نہیں، اور نہ گمراہی کی طرف دعوت دینے کے منافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں اَقسامِ

تکذیب و کفر کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

ولا شبهة ان الایمان مفهومه الشرعی المعتبر به فی کتب الکلام والعقائد والتفسیر والحدیث هو تصدیق النبی صلی الله علیه وسلم فیما علم مجیئه ضرورة عما من شأنه ذٰلک لیخرج الصبی والمجنون والحیوانات. والکفر عدم الایمان عما من شأنه ذٰلک التصدیق فمفهوم الکفر هو عدم تصدیق النبی صلی الله علیه وسلم فیما علم مجیئه ضرورة وهو بعینه ما ذکرنا من ان من انکر واحدا من ضروریات الدین اتصف بالکفر نعم عدم التصدیق له مراتب اربع فیحصل للکفر ایضا اقسام اربعة. الاوّل کفر الجهل، وهو تکذیب النبی صلی الله علیه وسلم صریحا فیما علم مجیئه بدمع العلم (ای فی زعمه الباطل) بکونه علیه السلام کاذبًا فی دعواه وهذا وهو کفر ابی جهل واضرا به. والثانی کفر الجحود والعناد، وهو تکذیبه مع العلم بکونه صادقا فی دعواه وهو کفر اهل الکتاب لقوله تعالٰی: "اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰـهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ" وقوله تعالٰی: "وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَیۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا" وکفر ابلیس من هذا القبیل. والثالث کفر الشک، کما کان لاکثر المنافقین. والرابع کفر التأویل، وهو ان یحمل کلام النبی صلی الله علیه وسلم علٰی غیر محمله او علٰی التقیة ومراعاة المصالح ونحو

ذٰلک، ولما کان التوجه الی القبلة من خواص معنی الایمان سواء کان شاملة او غیر شاملة عبروا عن اهل الایمان باهل القبلة، کما ورد فی الحدیث: "نهیت عن قتل المصلین" والمراد المؤمنین، مع ان نص القرآن علٰی ان اهل القبلة هم المصدِّقون بالنبی صلی الله علیه وسلم فی جمیع ما علم مجیئه وهو قوله تعالٰی: وَصَدٌّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَکُفۡرٌۢ بِهٖ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَاِخۡرَاجُ اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَکۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ. (فتاویٰ عزیزی ج:۱ ص:۴۲)

ترجمہ:- اور اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا مفہومِ شرعی جو کہ کتبِ کلام وعقائد وتفسیر وحدیث میں معتبر ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنا ان تمام باتوں میں جن کا آپ سے منقول ہونا بداہتہً معلوم ہے، یہ اس شخص پر جو تصدیق کا اہل ہے یعنی بچہ اور مجنون اور حیوانات اس سے خارج ہیں، اور کفر اسی شخص کے عدمِ ایمان کو کہتے ہیں۔ پس کفر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان باتوں میں تصدیق نہ کرنا۔

اور وہ بعینہٖ وہی بات ہے جو ہم نے ذکر کی کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے وہ صفتِ کفر کے ساتھ موصوف ہوجائے گا۔ ہاں! عدمِ تصدیق کے چار درجات ہیں۔ اس لئے کفر کے بھی چار اَقسام نکلیں گے۔ اوّل کفرِ جہل اور وہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنا صریحاً ان چیزوں میں جن کو آپؐ لے کر آئے، یہ سمجھتے ہوئے (یعنی اپنے زعمِ باطل میں) کہ نبی ﷺ کاذب ہیں اپنے دعوے میں، اور

یہ ابوجہل وغیرہ کا کفر ہے۔ دوسرا کفرِ جحود اور عناد، اور وہ یہ کہ آپؐ کو باوجود دل سے سچا جاننے کے تکذیب کئے جانا، اور یہ اہلِ کتاب کا کفر ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔'' اور دوسری جگہ فرمایا کہ: ''ان لوگوں نے انکار کیا، حالانکہ ان کے دل پُر یقین ہیں، اور یہ انکار ظلم اور تعلّی و تکبّر کے سبب سے ہے۔'' اور ابلیس کا کفر اسی قسم میں سے ہے۔
اور تیسرا کفرِ شک، جیسا کہ اکثر منافقین کا تھا۔ اور چوتھا کفرِ تأویل اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کلام کو اس کے غیر محمل پر محمول کرے یا اس کو تقیہ پر اور مراعاۃِ مصالح وغیرہ پر محمول کرے، اور جبکہ توجہ الی القبلۃ ایمان کا خاصہ ہے، خواہ خاصۂ شاملہ ہو یا غیر شاملہ، اس لئے اہلِ ایمان کو ''اہلِ قبلہ'' سے تعبیر کردیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ: ''مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے'' اور مراد اس جگہ مسلمان ہیں۔
نیز نصِ قرآن اس پر شاہد ہے کہ اہلِ قبلہ وہی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کرتے ہیں اور وہ نص حق تعالیٰ کا یہ قول: ''اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجدِ حرام کے ساتھ اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا، زیادہ شدید ہے اللہ کے نزدیک۔'' خوب سمجھ لینا چاہئے!
حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''شفاء العلیل'' میں انہی تأویلاتِ باطلہ کے متعلق فرمایا:۔

ما فی الشفاء العلیل للحافظ ابن القیم:

والتأويل الباطل يتضمّن تعطيل ما جاء به الرسول والكذب على المتكلم انه اراد ذٰلك المعنى فتضمن ابطال الحق وتحقيق الباطل ونسبة المتكلم الىٰ ما لا يليق به من التلبيس والالغاز مع القول عليه بلا علم انه اراد هٰذا المعنى فالمتأول عليه ان يبين صلاحية اللفظ للمعنى الذى ذكره اولا واستعمال المتكلم له فى ذٰلك المعنى فى اكثر المواضع حتى اذا استعمله فيما يحتمل غيره يحمل علىٰ ما عهد منه استعماله فيه وعليه ان يقيم دليلا سالما عن المعارض على الموجب بصرف اللفظ عن ظاهره وحقيقته الىٰ مجازه واستعارته والا كان خلك مجرد دعوىٰ منه فلا يقبل. (ص:۱۴۵)

ترجمہ:- حافظ ابن قیمؒ کی شفاء العلیل میں ہے کہ: اور تأویلِ باطل متضمّن ہے رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو معطل کرنے کو اور متکلم پر جھوٹ کو، کہ اس نے یہ معنی مراد لئے پس لازم آئے گا اس سے ابطالِ حق اور باطل کا ثبوت، اور متکلم کی نسبت ایسی چیز کی طرف جو اس کے شایانِ شان نہیں یعنی تلبیس اور معما کی باتیں کرنا، نیز اس پر یہ افتراءً بلاعلم کہ اس نے اس سے یہ معنی مراد لئے، پس تأویل کرنے والے پر لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ ثابت کرے کہ لفظ مستعمل میں اس معنی کی صلاحیت ہے جو اس نے ذکر کئے ہیں اور یہ بھی کہ متکلم نے بھی اس کو اکثر مواضع میں انہی معنی میں استعمال کیا ہے تاکہ جب متکلم اس کو ایسے کلام میں استعمال کرے جہاں دوسرا احتمال بھی

ہوتو وہ اسی معنی پر محمول ہو جس میں اس کا استعمال مروّج رہا ہے، اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ دلیل قائم کرے ایسی کہ جو معارض سے سالم ہو اس بات پر کہ جو موجِب ہوا ہے لفظ کو ظاہری اور حقیقی معنی سے مجاز اور استعارہ کی طرف پھیرنے کا، ورنہ تو یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا جو قابلِ قبول نہ ہوگا۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:-

ثم لو قدر انهم متأولون لم يكن تأويلهم سائغا بل تأويل الخوارج ومانعي الزكٰوة اوجه من تأويلهم وأما الخوارج فانهم احياء اتباع القرآن وان ما خالفه من السنة لا يجوز العمل به واما مانعوا الزكٰوة فقد ذكروا انهم قالوا ان الله قال لنبيه فقط فليس علينا ان ندفعها لغيره فلم يكونوا يدفعونها لابي بكر ولا يخرجونها له. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۴ ص:۲۹۷)

ترجمہ:- اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لوگ متاوّلین (یعنی تاویل کرنے والے) ہیں تو ان کی تاویل قابلِ قبول نہیں بلکہ خوارج اور مانعینِ زکوٰۃ کی تاویل تو اس سے زیادہ اقرب اور قابلِ قبول تھی، کیونکہ خوارج نے دعویٰ کیا تھا اتباعِ قرآن کا اور سنت میں جو قرآن کے مخالف ہو اس پر ترکِ عمل اور عدمِ جواز کا، اور مانعینِ زکوٰۃ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا کہ: ''آپ لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ'' اور یہ خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو، پس ہم پر غیر نبی کی طرف زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، اس لئے وہ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

وفي ص: ۱۸۵ وقد اتفق الصحابة والائمة بعدهم علٰى قتال مانعي الزكٰوة وان كانوا يصلون الخمس ويصومون شهر رمضان وهؤلاء لم يكن لهم شبهة سائغة فلهٰذا كانوا مرتدين وهم يقاتلون علٰى منعها وان اقروا بالوجوب كما امر الله.

ترجمہ:- اور ص:۱۸۵ میں ہے: اور صحابہؓ نے اور ائمہؒ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کرنے پر اجماع فرمایا اگرچہ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے تھے اور رمضان شریف کے روزے رکھتے تھے، اور ان حضرات کو کوئی شبہ پیش نہیں آیا، لہٰذا یہ مرتد تھے اور ان سے جہاد کیا جائے گا، اس کے روکنے پر اگرچہ وہ اس کے وجوب کا اقرار کریں جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

وقال من ص: ۶۹ بغية المرتاد، وانما القصد هٰهنا التنبيه علٰى ان عامة هٰذه التأويلات مقطوع ببطلانها وان الذى يتأوله او يسوغ تأويله فقد يقع فى الخطاء فى نظيره او فيه بل قد يكفر من تأويله.

ترجمہ:- یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عام طور سے یہ تاویلیں یقیناً باطل ہیں اور جو شخص یہ تاویلیں کرتا یا ایسی تاویل کو جائز رکھتا ہے وہ کبھی اس کے مثل میں اور کبھی خود اس میں خطاء میں پڑ جاتا بلکہ کبھی تاویل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

اور شرح جمع الجوامع میں ہے:-

جاحد المجمع عليه من الدين بالضرورة

کافر قطعًا.

ترجمہ:- جس چیز پر اجماع قطعی ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی حاشیہ شرح عقائد میں لکھا ہے:-

والتأویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر.

(حاشیہ نمبر:۲ خیالی ص:۱۲۶)

ترجمہ:- اور ضروریاتِ دین میں تأویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا۔

اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ نے ''فتوحاتِ مکیہ'' میں فرمایا ہے:-

التأویل الفاسد کالکفر.

(باب:۲۸۹ ج:۲ ص:۸۵۷)

ترجمہ:- تأویلِ فاسد کفر کی طرح ہے۔

اور وزیر یمانی رحمہ اللہ کی ''ایثار الحق علی الخلق'' صفحہ:۴۴۱ میں ہے:-

لان الکفر ھو جحد الضروریات من الدین او تأویلھا.

ترجمہ:- کیونکہ کفر یہی ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار کرنا یا اس کی تأویل کرنا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی'' میں ہے:-

وکذلک یقطع بتکفیر من کذب او انکر قاعدۃ من قواعد الشریعۃ وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووقع

الاجماع المتصل علیہ کمن انکر وجوب الصلوات الخمس او عدد رکعاتھا وسجداتھا ویقول انما اوجب اللہ علینا فی الکتاب الصلٰوۃ علی الجملۃ وکونھا خمسا وعلٰی ھٰذا الصفات والشروط لا اعلمہ اذ لم یرو فی القرآن نص جلی. (شفاء ص:۲۴۸)

ترجمہ:- اور اسی طرح قطعی طور پر کافر کہا جائے گا اس شخص کو جو جھٹلا دے یا انکار کرے قواعدِ شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کا یا اس چیز کا جو فعلِ رسول اللہ ﷺ سے نقلِ متواتر کے ساتھ یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، جیسے کوئی پانچ نمازوں یا ان کی رکعات کے عدد یا سجدوں کا انکار کرے، اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز تو فی الجملہ واجب کی ہے، ان صفات اور شروط کے ساتھ میں اس کو نہیں مانتا، کیونکہ اس کی قرآن میں کوئی نصِ جلی نہیں ہے۔

اور شرحِ شفاء قاضی عیاض میں ہے:-

وکذٰلک انعقد اجماعھم علٰی ان مخالفۃ السمع الضروری کفر وخروج عن الاسلام. (ص:۱۲۱)

ترجمہ:- ایسے ہی سب کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ یقینی روایات کی مخالفت کفر اور اسلام سے خروج ہے۔

تنبیہ:- یہاں صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تأویل کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے کا ضابطہ عام نہیں بلکہ وہ تأویل جو ضروریاتِ دین کے خلاف کی جائے وہ تأویل نہیں بلکہ تحریف اور الحاد ہے، اور باجماعِ اُمت کفر ہے، اور اگر تأویل مطلقاً دفعِ کفر کے لئے کافی سمجھی جائے تو شیطان بھی کافر

نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنے فعل کی تأویل پیش کر رہا ہے: "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"، اسی طرح بت پرست مشرکین بھی کافر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی تأویل تو خود قرآن میں مذکور ہے: "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" اس سے واضح ہوگیا کہ جو تأویل کسی نصِ صریح یا اجماع یا ضروریاتِ دین کے مخالف ہو وہ تأویل نہیں بلکہ تحریف اور تکذیبِ رسول ہے، جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

مسئلہ تکفیرِ اہلِ قبلہ

جو لوگ ایمان و اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور نماز، روزہ وغیرہ کے پابند ہیں، مگر اسلام کے کسی قطعی اور یقینی حکم میں تأویلاتِ باطلہ کر کے تصریحاتِ کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت کے خلاف اس کا مفہوم بدلتے ہیں، ان کو کافر و مرتد قرار دینے پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ گو اہلِ قبلہ ہیں، اور اہلِ قبلہ کی تکفیر باتفاقِ اُمت ممنوع ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس جگہ اہلِ قبلہ کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اصل اس باب میں آنحضرت ﷺ کی دو حدیثیں ہیں، ایک وہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں اطاعتِ امراء کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلّٰى صلٰوتنا واكل ذبيحتنا فهو مسلم، الّا ان تروا كفرًا بواحًا عندكم من الله فيه برهان.

ترجمہ:- جو شخص لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہی مسلمان ہے، مگر یہ کہ دیکھو تم کفرِ صریح، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف اس میں دلیل ہو۔

اور دوسری روایت ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے، جس کا متن یہ ہے:-

عن انس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث من اصل الايمان: الكف عمن قال لا اله الا الله، ولا تكفره بذنب، ولا تخرجه من الاسلام بعمل. (الحديث).

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: تین چیزیں اصل ایمان ہیں: رکنا اس شخص سے جو لا الٰہ الا اللہ کہے، اور نہ تکفیر کرو اس کی کسی گناہ کے سبب، اور نہ اسے خارج از اسلام قرار دو کسی عمل کے سبب۔

اس میں سے پہلی حدیث میں تو ختم کلام پر خود ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ کلمہ گو کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل موجبِ کفرِ صریح اور ناقابلِ تأویل یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اس کی تصریح ہے کہ کسی گناہ یا عمل کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی سخت ہو کافر نہ کہا جائے گا۔ لیکن باتفاقِ علمائے اُمت، گناہ سے مراد اس جگہ کفر کے سوا دوسرے گناہ ہیں، مطلب یہ ہے کہ عملی خرابیاں، فسق و فجور کتنا ہی زیادہ ہو جائے ان کی وجہ سے اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا، نہ یہ کہ وہ قطعیاتِ اسلام کے خلاف عقائد کا اظہار بھی کرتا رہے تب بھی اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔

مانعینِ زکوٰۃ اور مدعیٔ نبوت مسیلمۂ کذّاب اور اس کی جماعت کو کافر و مرتد قرار دے کر ان سے جہاد کرنے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع اس کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اہلِ قبلہ جن کی تکفیر ممنوع ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر لے یا نماز پڑھ لے، اس کو کسی عقیدۂ باطلہ کی وجہ سے بھی کافر نہ کہا جائے، بلکہ معلوم ہوا کہ کلمہ گو یا اہلِ قبلہ یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان کے مفہوم میں صرف وہ مسلمان داخل ہیں جو

شعائرِ اسلام نماز وغیرہ کے پابند ہونے کے ساتھ تمام موجباتِ کفر اور عقائدِ باطلہ سے پاک ہوں۔

اہلِ قبلہ کا یہ مفہوم، تمام علمائے اُمت کی کتابوں میں بصراحت و وضاحت موجود ہے، ذیل میں چند اقوال ائمۂ اسلام کے پیش کئے جاتے ہیں جن سے دو چیزوں کی شہادت پیش کرنا مقصود ہے:-

۱:- ''اہلِ قبلہ'' کا صحیح مفہوم۔

۲:- اصل موضوعِ بحث پر شہادت کہ اسلام کے قطعی اور یقینی اَحکام میں قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت شدہ مفہوم کے خلاف کوئی مفہوم قرار دینا بھی تکذیبِ رسول کے حکم میں ہے، اور ایسی تکذیب کو ''زندقہ والحاد'' کہا جاتا ہے۔

محقق ابن امیر الحاجؒ جو حافظ ابن حجرؒ اور شیخ ابن ہمامؒ کے مشہور شاگرد اور محقق ہیں، شرح تحریر الاصول میں ''اہلِ قبلہ'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

هو الموافق علىٰ ما هو من ضروريات الاسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد من غير ان يصدر عنه شيء من موجبات الكفر قطعا من اعتقاد راجع الىٰ وجود اله غير الله تعالىٰ او حلوله فى بعض اشخاص الناس او انكار نبوّة محمد صلى الله عليه وسلم او ذمه او استخفافه ونحو ذٰلك المخالف فى اصول سواها (الىٰ ان قال) وقد ظهر من هٰذا ان عدم تكفير اهل القبلة بذنب ليس علىٰ عمومه الا ان يحمل الذنب علىٰ ما ليس بكفر فيخرج الكفر به كما اشار اليه السبكى.

(شرح تحریر)

ترجمہ:- اہلِ قبلہ وہ ہے جو موافق ہو تمام ضروریاتِ

اسلام کے، جیسے عالم کا حدوث، اور حشرِ اجساد، اس طرح پر کہ اس سے کوئی چیز موجباتِ کفر میں سے صادر نہ ہو، مثلاً: ایسا اعتقاد ہو جو مُفضی ہو حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کے ماننے کو اور خدا تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کرنے کو، یا نبوّتِ محمد ﷺ کے انکار کو، یا آپؐ کی مذمت یا آپؐ کے استخفاف کو، اور اسی طرح کی اور باتیں (یہاں تک کہ مصنف فرماتے ہیں کہ) اسی سے ظاہر ہوگیا کہ اہلِ قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، ہاں! اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ لیا جاوے جیسا کہ علامہ سبکیؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے تو عموم مراد ہوسکتا ہے۔

نیز شرحِ مقاصد میں عدمِ تکفیرِ اہلِ قبلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:-

قال المبحث السابع فى حكم مخالف الحق من اهل القبلة ليس بكافر ما لم يخالف ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الأجساد.

قال الشارح: ومعناه ان الذين اتفقوا علىٰ ما هو من ضروريات الاسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد وما يشبه ذٰلك واختلفوا فى اصول سواها كمسئلة الصفات وخلق الأفعال وعموم الإرادة وقدم الكلام وجواز الرؤية ونحو ذٰلك مما لا نزاع فيه ان الحق فيه واحد هل يكفر المخالف للحق بذٰلك الاعتقاد وبالقول به ام لا؟ فلا نزاع فى كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى الحشر

ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذٰلک وکذا بصدور شیء من موجبات الکفر عنه. (شرح مقاصد ج:۵ ص:۲۲۸)

ترجمہ:- ساتواں مبحث اس شخص کے حکم میں جو مخالفِ حق ہو، اہلِ قبلہ میں سے کہ وہ کافر نہیں جب تک مخالفت نہ کرے کسی چیز کی ضروریاتِ دین میں سے جیسے عالَم کا حادث ہونا اور حشر ونشر۔

شارح فرماتے ہیں: اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جو لوگ ضروریاتِ اسلام پر تو متفق ہیں جیسے حدوثِ عالم اور حشر وغیرہ، اور ان کے سوا دوسرے اُصول میں اختلاف کرتے ہیں جیسے ''مسئلہ صفات'' اور ''خلقِ افعال'' اور ''عموم ارادہ'' اور ''کلام اللہ کا قدیم ہونا'' اور ''رؤیۃ اللہ کا جواز'' وغیرہ جن میں کوئی نزاع اس امر میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے تو کیا اس اعتقاد اور اس کا قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالفِ حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ سو کوئی اختلاف نہیں ہے، ایسے اہلِ قبلہ کی تکفیر میں جو تمام عمر طاعات پر مداومت کرنے کے ساتھ ''قدمِ عالم'' اور ''نفی حشر'' اور ''نفی بالجزئیات'' وغیرہ کا قائل ہو اور اسی طرح موجباتِ کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح فقہِ اکبر میں ہے:-

اعلم ان المراد باھل القبلة الذین اتفقوا علیٰ ما ھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الأجساد وعلم اللہ تعالیٰ بالجزئیات وما اشبه ذٰلک من

المسائل المهمّات فمن واظب طول عمره علی الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفی الحشر او نفی علمه سبحانه وتعالیٰ بالجزئیات لا یکون من اھل القبلة وان المراد باھل القبلة عند اھل السنّة انه لا یکفر ما لم یوجد شیء من امارات الکفر ولم یصدر عنه شیء من موجباته. (شرح فقہ اکبر ص:۱۸۹)

ترجمہ:- جاننا چاہئے کہ اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریاتِ دین پر متفق ہیں، جیسے حدوثِ عالم اور حشر و نشر، اور علم اللہ بالجزئیات وغیرہ، پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات کا پابند ہونے کے باوجود قِدَمِ عالم اور نفی حشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو، وہ اہلِ قبلہ نہیں ہے، اور مراد اہلِ قبلہ سے اہلِ سنّت کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک علاماتِ کفر میں سے کوئی چیز اس میں نہ پائی جائے اور جب تک اس سے موجباتِ کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو۔

اور فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ کی ''کشف الاصول'' باب الاجماع ج:۳ ص:۲۳۸ میں، نیز امام سیف الدین آمدی رحمہ اللہ کی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں اور ''غایۃ التحقیق شرح اصول حسامی'' میں ہے:-

ان غلا فیه (ای فی ھواہ) حتّٰی وجب اکفارہ به لا یعتبر خلافه ووفاقه ایضا لعدم دخوله فی مسمی الأُمّة المشھود لھا بالعصمة وان صلّٰی الی القبلة واعتقد نفسه مسلما لان الأُمّة لیست عبارة عن المصلّین الی

القبلة بل عن المؤمنين وهو كافر وان كان لا يدری انه كافر. (غایۃ التحقیق)

ترجمہ:- اگر غلو کیا اپنی خواہشاتِ نفسانیہ میں حتیٰ کہ واجب ہوگئی اس کی تکفیر اس کی وجہ سے، اجماع میں اس کے خلاف یا مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا، اور اگر چہ وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو، کیونکہ ''اُمت'' قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے، بلکہ ''مؤمنین'' کا نام ہے، اور وہ کافر ہے، اگر چہ اس کو اپنے کافر ہونے کا علم نہ ہو۔

اور ردالمحتار باب الامامۃ میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے بحوالہ شرح تحریر الاصول ابن ہمامؒ لکھا ہے:-

لا خلاف فی كفر المخالف فی ضروريات الاسلام وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما فی شرح التحرير.

(شامی ج:۱ ص:۲۷۷)

ترجمہ:- جو شخص ضروریاتِ اسلام کا مخالف ہو اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں، اگر چہ وہ اہلِ قبلہ میں سے ہو اور تمام عمر طاعات پر پابند رہے۔

اور البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:-

والحاصل ان المذهب عدم تكفير احد من المخالفين فيما ليس من الاصول المعلومة من الدين ضرورة. (البحر الرائق)

ترجمہ:- اور حاصل یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ مخالفین

میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، جو اصولِ دین کے سوا کسی چیز میں مخالف ہیں۔

اور شرحِ عقائد نسفی کی شرح ''نبراس'' میں ہے:-

اهل القبلة فی اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين ای الامور التی علم ثبوتها فی الشرع واشتهر فمن انكر شيئا من الضروريات كحدوث العالم وحشر الأجساد وعلم الله سبحانه بالجزئيات وفرضية الصلوٰة والصوم لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدا بالطاعات وكذٰلك من باشر شيئا من امارات التكذيب كسجود الصنم والإهانة بامر شرعی والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة ومعنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصی ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة.

(نبراس ص:۵۷۳)

ترجمہ:- اہلِ قبلہ، متکلمین کی اصطلاح میں وہ ہے جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی ان اُمور کی جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ومشہور ہے، پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریاتِ دین میں سے جیسے حدوثِ عالم اور حشر اور علم اللہ بالجزئیات اور فرضیتِ نماز و روزہ تو وہ اہلِ قبلہ سے نہ ہوگا، اگر چہ وہ طاعات کا پابند ہو، اور اسی طرح وہ شخص بھی اہلِ قبلہ میں سے نہ ہوگا جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے، جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب

کرے کہ جس سے امرِ شرعی کا استہزاء اور اہانت ہو، وہ اہلِ قبلہ نہیں ہے، اور اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکابِ معاصی سے اس کی تکفیر نہ کی جائے یا اُمورِ خفیہ غیر مشہورہ کے انکار سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور علمِ عقائد کی معروف و مستند کتاب مواقف میں ہے:-

لا یکفر اهل القبلة الا فیما فیه انکار ما علم مجیئه به بالضرورة او المجمع علیه کاستحلال المحرمات. (مواقف ص:۲۴۴)

ترجمہ:- اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں ضروریاتِ دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم آئے جس پر اجماع ہو چکا ہے جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔

اور شرح فقہِ اکبر میں ہے:-

ولا یخفی ان المراد بقول علمائنا: "لا یجوز تکفیر اهل القبلة بذنب" لیس مجرد التوجه الی القبلة فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبریل غلط فی الوحی فان الله تعالٰی ارسله الٰی علیؓ وبعضهم قالوا انه الٰه، وان صلّوا الی القبلة لیسوا بمؤمنین وهٰذا هو المراد بقوله صلی الله علیه وسلم: من صلّٰی صلٰوتنا واکل ذبیحتنا فذٰلک مسلم. (شرح فقہ اکبر)

ترجمہ:- یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی مراد کہ: ''اہلِ قبلہ کی تکفیر کسی گناہ کے سبب جائز نہیں'' محض قبلہ کی طرف رُخ کر لینے کی نہیں، کیونکہ بعض متشدد روافض

ایسے ہیں جو مدعی ہیں کہ جبریلؑ نے وحی لانے میں غلطی کی کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تھا، اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ معبود ہیں، یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں مگر مؤمن نہیں، اور یہی مراد ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان کی: جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہی مسلم ہے۔

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے:-

فلا نکفر اهل القبلة ما لم یات بما یوجب الکفر وهٰذا من قبیل قوله تعالٰی: "اِنَّ اللهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا" مع ان الکفر غیر مغفور. ومختار جمهور اهل السنة من الفقهاء والمتکلمین عدم اکفار اهل القبلة من المبتدعة الماؤلة فی غیر الضروریة لکون التاویل شبهة کما فی خزانة الجرجانی والمحیط البرهانی واحکام الرازی واصول البزدوی ورواه الکرخی والحاکم الشهید عن الامام ابی حنیفة والجرجانی عن الحسن بن زیاد وشارح المواقف والمقاصد والآمدی عن الشافعی والاشعری لا مطلقا. (کلیات ابوالبقاء ص:۵۵۴)

ترجمہ:- پس ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کریں گے جب تک ان سے موجباتِ کفر کا صدور نہ ہو، اور یہ اسی طرح ہے جیسے حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔'' باوجود اس کے کفر غیر مغفور ہے۔ اور مذہب جمہور اہل السنّت کا فقہاء و متکلمین میں سے، بدعتی جو تاویلات کرتے

ہیں غیر ضروریاتِ دین میں، ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ خزانہ جرجانی، اور محیطِ برہانی اور اَحکامِ رازی اور اصولِ بزدوی میں ہے، اور یہی روایت کیا ہے کرخی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہؒ سے اور جرجانی نے حسن بن زیاد سے اور شارحِ مواقف اور المقاصد اور آمدی نے شافعی سے اور اشعری سے۔

اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے:-

اذ لا نکفر احدا من اهل القبلة الا بانکار قطعی من الشريعة. (ص:۱۴۳)

ترجمہ:- ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر بسبب انکار کے کسی قطعی حکمِ شرعی کا۔

اور امامِ ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے:-

وچوں ایں فرقۂ مبتدعہ اہلِ قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت نباید نمود تا زمانے کہ انکار ضروریاتِ دینیہ نمایند و ردّ متواترات احکامِ شرعیہ نکنند و قبول ماعلم مجیئہ من الدین بالضرورۃ نکنند۔

(مکتوبات ج:۲ ص:۳۸)

ترجمہ:- اور چونکہ یہ فرقۂ مبتدعہ اہلِ قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہیں کرنی چاہئے، جب تک کہ یہ ضروریاتِ دین کا انکار اور متواتراتِ اَحکامِ شرعیہ کا ردّ نہ کریں اور ضروریاتِ دین کو قبول نہ کریں۔

عقائد عضدیہ میں ہے:-

لا نکفر احدا من اهل القبلة الا بما فيه نفي الصانع المختار او بما فيه شرک او انکار النبوة وانکار

ما علم من الدين بالضرورة او انکار مجمع عليه واما غير ذٰلک فالقائل مبتدع وليس بکافر.

ترجمہ:- ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کریں گے مگر اس سبب سے کہ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی نفی ہو اور یا جس میں شرک ہو یا انکارِ نبوت ہو یا ضروریاتِ دین کا انکار ہو یا کسی مجمع علیہ امر کا انکار ہو، اور اس کے سوا پس اس کا قائل مبتدع ہے کافر نہیں۔

کسی مدعیٔ اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط!

مذکور الصدر تقریر سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ ہر قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کو ''اہلِ قبلہ'' نہیں کہتے، یہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جو صرف ان لوگوں کے حق میں بولا جاتا ہے جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں اور ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار یا تحریف نہ کریں، جس کی بناء پر بہت سے ایسے لوگوں کو بھی کافر قرار دینا پڑے گا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور نماز، روزہ بھی ادا کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت اور خدمت بھی کرتے ہیں مگر اسلام کے قطعی اور ضروری اَحکام میں سے کسی حکم کے منکر ہیں۔

لیکن اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے، جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے، اور ایک زمانہ سے یہ خطرہ صرف خطرہ ہی نہیں رہا، بلکہ ایک واقعہ بن گیا ہے کہ حقائقِ دین سے ناواقف کچھ نام کے علماء نے یہ پیشہ بنالیا کہ ذرا ذرا سی بات پر مسلمان کو کافر قرار دینے لگے، باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے، اس میں ان لوگوں کو کتبِ فقہ کے ان مسائل سے بھی دھوکا لگا

جو کلماتِ کفریہ کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں کلمۂ کفر ہیں، جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، اس کو کلمۂ کفر قرار دیا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی حضراتِ فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ان کلمات کے کلماتِ کفر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں اس کو بے سوچے سمجھے اور بدون تحقیقِ مراد کے کافر کہہ دیا جائے، جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس کی مراد وہی معنی ومفہوم ہیں جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا انکار ہے۔

لیکن حقیقتِ حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنالیا، اور تکفیر بازی شروع کردی، جس کی ایک بھاری مضرّت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں، اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے، جس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہوکر رہ گئی ہے جو مدعیٔ اسلام درحقیقت کافر ہیں ان کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں، ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ اس کو بھی واضح کردیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے، معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیقِ مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے، اس بے احتیاطی کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرماچکے ہیں، مزید توضیح وتاکید کے لئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیرِ مسلم خود کفر ہے

حدیثِ صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:-

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما اکفر رجلٌ رجلا الا باء احدھما بہ، ان کان کافرا والا کفر بتکفیرہ. وفی روایۃ: فقد وجب الکفر علیٰ احدھما.

(ترغیب وترہیب المنذر واکفار ص:٥٠)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہوجاتا ہے، کیونکہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر تھا تب تو وہ کافر ہوا ہی، ورنہ یہ تکفیر کرنے والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہوگیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہوگیا۔

ایک شبہ اور جواب

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہوجائے گا، لیکن کفر کی جو تعریف بنصِ قرآن اوپر لکھی گئی ہے وہ بظاہر اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی جس نے کسی کو بلاوجہِ شرعی غلط' در پر کافر کہہ دیا، کیونکہ ایسا کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی اور نہ اس کے رسول کی، اسی لئے بعض فقہاء نے اس کو محض تہدید وتخویف پر محمول کیا ہے، جیسے ترکِ صلوٰۃ پر "فقد کفر" کے الفاظ بطورِ تہدید کے آئے ہیں، جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسبِ منقول از اکفار الملحدین ص:٥١) اور

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ایثار الحق علی الخلق ص:۴۳۲ میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد وخیالات کفر ہیں تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا، اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے، قرآن کا ارشاد ہے:-

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ. (۵:۵)

ترجمہ:- اور جو شخص ایمان سے انکار کرے اس کے عمل ضائع ہوگئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں، اس کو کافر کہنا جائز نہیں، بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑجاتا ہے، کیونکہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا تو کہنے والا بالاتفاق کافر نہیں ہوگا کیونکہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا، اگرچہ حضراتِ فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے جب تک کہ اس کے عقیدۂ کفریہ یا کلمۂ کفریہ کی کوئی جائز تأویل ہوسکتی ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا، تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمۂ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدۂ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہو، مثلاً: اس کو خیال ہوا کہ فلاں آدمی نے -معاذ اللہ- کسی نبی کی توہین کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا کہ وہ اس خیال کی تحقیق کرتا اور خلافِ واقعہ پاکر بدگمانی سے باز آجاتا،

لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا، اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضراتِ فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہوجائے جس میں سو احتمال میں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بن سکتے ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے، بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول وفعل سے اس کی تصریح نہ کردے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

اذا كان في المسئلة وجوهٌ توجب الكفر ووجه واحدٌ يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذٰلك الوجه الا اذا صرّح بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه التأويل حينئذٍ.

ترجمہ:- جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں اور ایک وجہ مانعِ کفر ہو، تو مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو، مگر جبکہ قائل اُس وجہ کی تصریح کردے جو موجبِ کفر ہے تو پھر تأویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ:- یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے اس کلام کے یہ معنی نہیں جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عقائد واقوال میں ایک عقیدہ وقول بھی ایمان کا ہو تو اس کو مؤمن سمجھو، کیونکہ اگر یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتیٰ کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا، کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے موافق ہوتا

ہے، بلکہ مقصد حضراتِ فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہوسکتا ہے جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدۂ کفریہ سے نکل جاتا ہے اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدۂ کفریہ ٹھہراتے ہیں تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرکے اس کو مؤمن ہی قرار دے، بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کردے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیثِ مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے، خواہ محض تہدید وتخویف کے لئے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے (الیواقیت للشعرانی) یا اس سے حقیقۃً کفر مراد ہو، بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعیٔ اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

اور اسی بناء پر محققین علماء وفقہاء نے ایسے کلمات وعقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا اس کے کوئی صحیح معنی کسی تأویلِ جائز سے بن سکتے ہوں، کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ وکلمہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے، ٹھیک اسی طرح کسی یقینی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان قرار دینا اگر اپنے اختیار وارادہ سے ہو تو بلاشبہ کفر ہے، ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں بلکہ پوری

ملّت اور اسلامی معاشرہ پر ظلمِ عظیم ہے، کیونکہ اس سے پوری ملّت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، نکاح، نسب، میراث، ذبیحہ، امامتِ نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سبھی پر اثر پڑتا ہے، اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسبِ تقریرِ مذکور اصطلاحِ شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے، جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل سے اور زبان سے معترف بھی ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شعائرِ اسلام کا پابند بھی ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ عقائدِ کفریہ رکھتا ہے یا ضروریاتِ دین میں تأویلِ باطل کرکے اَحکامِ دین کی تحریف کرتا ہے، اس کا معاملہ نہایت خطرناک مزلّۃ الاقدام ہے، اس میں ذراسی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کرسکتی ہے اور ایک دشمنِ اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مارِ آستین بھی بنا سکتی ہے، اور یہ دونوں خطرے ملّت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب ونتائج نہایت دوررس ہیں۔

فوائدِ ضروریہ

منقول از رسالہ وصول الأفکار

ابناءِ زمانہ کی افراط وتفریط اور کفر واسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی دیکھ کر آج سے تیس سال پہلے ۱۳۵۱ھ میں احقر نے ایک سوال کے جواب میں مفصّل مقالہ لکھا تھا، جو بنام ''وصول الافکار الیٰ اُصول الاکفار'' شائع بھی ہوچکا ہے، اس جگہ بھی اس کا خلاصہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے:-

حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا کسی کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے، قرآنِ کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے، مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:-

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوآ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ
فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا،

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ، كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. (۹۴:۴)

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کروتو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ: "تو مسلمان نہیں!" کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں، یعنی جب تم اول مسلمان ہوئے تھے اگر تمہیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ: "تم مسلمان نہیں!" تو تم کیا کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہوجائے اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبالِ عظیم ہے۔

اسی طرح اس کے مقابل یعنی کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:-

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا. (۸۸:۴)

ترجمہ:- کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے؟ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤگے۔

تفسیر جلالین میں "اَنْ تَهْدُوْا" کی تفسیر یہ کی ہے: "**ای تعدوهم من**

جملة المهتدين" یعنی کفار کو اہلِ ہدایت شمار کرنا۔

سلف صالح، صحابہ و تابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں، حضراتِ متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار گزار سمجھا ہے اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تیقظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ علامہ قاریؒ نے شرح شفا فصل "**تحقيق القول فی اكفار المتاولين**" میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرمایا ہے:-

ادخال كافر فی الملّة الإسلامية او اخراج مسلم عنها عظيم فی الدين. (شرح شفا ج:۲ ص:۵۰۰)

ترجمہ:- کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا دونوں سخت چیزیں ہیں۔

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کا کوئی معیار اور اُصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے، ذرا سی خلافِ شرع بلکہ خلافِ طبع کوئی بات سرزد ہوئی اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا، ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ اُدھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقتِ محصلہ نہیں رہتی بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن و حدیث اور اَحکامِ اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے، ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے، انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہبِ باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنادیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے، اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہرحال مسلمان ہے، اور اس کو اپنے نزدیک وسعتِ خیال اور

وسعتِ حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ اس کج روی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں، اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے وہ مسلمان ہے، اور جو اس قانونِ الٰہی کے کسی قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلاشبہ و بلا تردّد دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس کے دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے، اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے، اور ان چند لوگوں کے داخلِ اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے، جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوچکا ہے۔

سوالِ اوّل

کفر و اسلام کا معیار کیا ہے؟ اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟

الجواب!

ارتداد کے معنی لغت میں پھرجانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاحِ شریعت میں ایمان و اسلام سے پھرجانے کو ارتداد، اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں، اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیلِ مذہب کرکے اسلام سے پھرجائے، جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے یا خداوندِ عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہوجائے، یا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کردے۔

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیلِ مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے، لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے جو انکارِ قرآن مجید یا انکارِ رسالت کے مرادف و ہم معنی ہوں، مثلاً: اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نصِ صریح سے ہو یا آنحضرت ﷺ سے بطریقِ تواتر ثابت ہوا ہو، یہ صورت بھی باجماعِ اُمت ارتداد میں داخل ہے اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکامِ اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے جس کے اہم جزو دو ہیں، ایک حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے اس کے رسول ﷺ پر، لیکن جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہوجائے بلکہ اس کی تمام صفاتِ کاملہ، علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن و حدیث میں بتلائی ہیں، ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملّت کا آدمی خدا کے وجود و صفات کو مانتا ہے، یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ آپؐ کے وجود کو مان لے کہ آپؐ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تریسٹھ سال عمر ہوئی فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے جو قرآنِ مجید نے بالفاظِ ذیل بتلائی ہے:-

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (۶۵:۴)

ترجمہ:- قسم ہے آپؐ کے ربّ کی! کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ آپؐ کو اپنے تمام نزاعات و اختلافات میں حَکَم نہ بنادیں اور پھر جو فیصلہ آپؐ

فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس
کو پوری طرح تسلیم کرلیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:-

فقد روی عن الصادق رضی اللہ عنہ انہ قال:
لو ان قومًا عبدوا اللہ تعالٰی واقاموا الصلٰوۃ واٰتوا الزکٰوۃ وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا لشیء صنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الّا صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسہم لکانوا مشرکین ثم تلا ھٰذہ الآیۃ. (روح المعانی ج:۶ ص:۶۵)

ترجمہ:- حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:
اگر کوئی قوم اللہ تعالٰی کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے،
اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ
کا حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا کرنا حضور ﷺ سے
ثابت ہو، یوں کہے کہ: ’’آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے
خلاف کیوں نہ کیا؟‘‘ اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی
محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیتِ مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی
حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام اَحکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے اور اس میں
کسی قسم کا پس وپیش یا تردّد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح
ہوگئی، کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور
انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان وکفر کی مذکورہ

تعریف سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالٰی یا رسول
اللہ ﷺ کو سرے سے نہ مانے، بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے
کہ آنحضرت ﷺ سے جو اَحکام قطعی ویقینی طور پر ثابت ہیں ان میں سے کسی ایک حکم
کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حضور ﷺ کا حکم ہے) انکار کردیا جائے،
اگرچہ باقی سب اَحکام کو تسلیم کرے اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

تنبیہ:- ہاں! اس جگہ دو باتیں قابلِ خیال ہیں، اوّل تو یہ کہ کفر و ارتداد
اس صورت میں عائد ہوتا ہے جبکہ حکمِ قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی
کرے اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو
واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو کفر و
ارتداد نہ کہا جائے گا، اگرچہ ساری عمر ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ
آئے، مگر اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکمِ قطعی کو
واجب التعمیل ہی نہیں جانتا اگرچہ کسی وجہ سے ساری عمر اس پر عمل بھی کرتا رہے، جب
بھی کافر و مرتد قرار دیا جائے گا، مثلاً: ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدّت کے
ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے، اور دوسرا شخص جو
فرض جانتا ہے مگر کبھی نہیں پڑھتا اگرچہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اَحکامِ اسلامیہ کی مختلف
قسمیں ہوگئی ہیں، تمام اَقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں، کفر و ارتداد صرف ان اَحکام
کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالۃ بھی، قطعی الثبوت
ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے
روایت کرنے والے آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور
ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان
سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کرلینا محال سمجھا جائے (اسی کو اصطلاح میں ’’تواتر‘‘ اور

ایسی احادیث کو "احادیثِ متواترہ" کہتے ہیں)۔

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے یا حدیثِ متواتر سے ثابت ہوئی ہے وہ اپنے مفہوم اور مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو، اس میں کسی قسم کی اُلجھن یا اِبہام نہ ہو کہ جس میں کسی کی تأویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے اَحکامِ قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہوجائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلّم پر موقوف نہ رہے بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثۃً وہ باتیں معلوم ہوجاتی ہوں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا، چوری، شراب خوری کا گناہ ہونا، آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا، وغیرہ، تو ایسے اَحکامِ قطعیہ کو "ضروریاتِ دین" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف "قطعیات" کہلاتے ہیں ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار باجماعِ اُمت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تأویل سنی جائے گی۔

اور قطعیاتِ محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچیں تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عام آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے ان کا انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر و ارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا، بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت اَحکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے، اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

كما في المسائرة والمسارة لابن الهمام ولفظه واما ما ثبت قطعًا ولم يبلغ حد الضرورة

كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده بانهم لم يشترطوا في الاكفار سوى القطع في الثبوت (الٰى قوله) ويجب حمله علٰى ما اذا علم المنكر ثبوته قطعًا. (مسامرہ ص:۱۴۹)

ترجمہ:- اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماعِ اُمت سے ثابت ہے، سو ظاہر کلامِ حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی (الیٰ قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیلِ مذہب ہے، اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کردیا جائے یا ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تأویل کی جائے جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنٰی پیدا ہوجائیں، اور غرض معروف بدل جائے۔

ضابطۂ تکفیر

اس لئے تکفیرِ مسلم کے بارہ میں ضابطۂ شرعیہ یہ ہوگیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تأویلِ صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو اس وقت تک

اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے، لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل وتحریف کرے جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کردے تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

تتمہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ (جلد سادس)

یہ کل بیان اس صورت میں تھا جبکہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدۂ کفریہ رکھنا یا اقوالِ کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہوجائے، لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہوجائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے اَحوَط واَسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے، جس کو بعینہٖ ذیل میں بطورِ تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردّد ہو خواہ تردّد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اُصول کا غموض تو اَسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا، حکمِ اوّل میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکمِ ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس اَحکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقدِ مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاستِ کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی اَحکام جاری کریں گے، اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہلِ کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے:-

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا

امنا بالله وما انزل الينا. الآية. رواه البخاري.

ترجمہ:- نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی.....الخ۔

دوسری فقہی نظیر اَحکامِ خنثیٰ کے ہیں:-

يؤخذ فيه بالاحوط والاوثق في امور الدين وان لا يحكم بثبوت حكم وقع الشك في ثبوته واذا وقف خلف الامام قام بين صف الرجال والنساء ويصلي بقناع ويجلس في صلوٰته جلوس المرأة ويكره له في حياته لبس الحلي والحرير وان يخلوا به غير محرم من رجل او امرأة او يسافر مع غير محرم من الرجال والاناث ولا يغسله رجل ولا امرأة وتيمم بالصعيد ويكفن كما يكفن الجارية وامثاله مما فصله الفقهاء.

ترجمہ:- خنثیٰ مشکل کے بارہ میں اُمورِ دین میں وہ صورت اختیار کی جاوے جس میں احتیاط ہو اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جاوے جس کے ثبوت میں شک ہو، اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو، اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اُوڑھ کر نماز پڑھے اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں، اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیرمحرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ

ہو، اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت، بلکہ تیمّم کرادیا جاوے اور کفن ایسا دیا جاوے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے، اور اسی طرح دوسرے اَحکام جن کو فقہاء نے مفصّل لکھا ہے۔

خلاصۂ رسالہ

مع جواب بعض شبہات

اس معاملہ میں سب سے پہلی بات قابلِ نظر یہ ہے کہ دائرۂ اسلام سے نکلنے یا کافر ہونے کے لئے اس کا قصد و ارادہ ضروری نہیں، شیطانِ اکبر ''ابلیس'' نے کافر ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر اس کی حرکت نے اس کو کافر بنادیا، اسی کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے:

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ. (۳۴:۲) (اور تھا وہ کافروں میں سے)

قرنِ اوّل میں مانعینِ زکوٰۃ اور مسیلمۂ کذّاب کے متبعین نے بھی ملتِ اسلامیہ کو چھوڑا نہیں تھا، مگر باجماعِ صحابہ، اسلام سے خارج قرار دیئے گئے، وجہ یہ ہے کہ اگر تأویل کے ساتھ انکار کرنے کو، مطلقاً انکار و تکذیب سے خارج قرار دیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ''بت پرست'' اور ''یہود و نصاریٰ'' سبھی کو مسلمان کہنا پڑے گا، کیونکہ شیطان ابلیس نے نہ کبھی خدا کا انکار کیا، نہ اس کی خدائی کا، نہ اس کی کسی صفت کا، بلکہ اس نے تو صرف غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ''موحدِ اعظم'' ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس سرکشی کو تکذیب ہی کے حکم میں رکھ کر کفرِ عظیم قرار دیا، اسی طرح عام بت پرست اپنے بتوں کی پرستش کی کبھی یہ تأویل کرتے ہیں کہ ہم بتوں کو خود خدا نہیں مانتے بلکہ ان کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر رضاجوئی کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں، خود قرآن کریم نے بت پرستوں کی اس تأویل کو ذکر کرکے ناقابلِ

التفات قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:-

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى. (۳:۳۹)

ترجمہ:- ہم بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں۔

اور کہیں یہ تأویل کرتے ہیں کہ یہ بت براہِ راست خدا نہیں بلکہ خدا کی مِلک ہیں، مگر غایتِ تقرّب کی وجہ سے یہ بھی علم و قدرت وغیرہ میں خدا کے شریک ہیں، حدیث میں ہے کہ مشرکینِ عرب اپنے حج میں بطورِ تلبیہ کہا کرتے تھے:-

لا شریک لک الا شریکا ھو لک.

ترجمہ:- تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس کے جو تیری ہی مِلک سے ہے یعنی بت وغیرہ۔

الغرض بت پرست اور مشرکین بھی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی صریح مخالفت نہیں کرتے بلکہ تأویل کی راہ اختیار کرتے ہیں، لیکن قرآن و حدیث نے ایسی تأویلاتِ باطلہ کو تکذیب و انکار ہی کا مرادف قرار دے کر ان سب کو کافر ہی کہا ہے، کیونکہ قرآن و حدیث کی تصریحات دربارۂ توحید ''لا شریک لک'' سے کسی فرد کے استثناء کی متحمل نہیں، اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کا عموم اپنے ظاہری معنی پر بلا کسی تخصیص و استثناء کے امتِ اسلامیہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اسی طرح جو شخص آیت: ''خاتم النبیین'' یا حدیث: ''لا نبی بعدی'' میں اُمتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی تخصیص و استثناء کی راہ نکالے کہ آپؐ خاتم الانبیاء تو ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، مگر بجز اس کے جو ظلّی و بروزی طور پر خود آنحضرت ﷺ کا عین یا ظل ہو، تو یہ درحقیقت مشرکینِ عرب کی اِسی تأویل کا چربہ ہے جو وہ ''الا شریک ھو لک'' سے کیا کرتے تھے۔

اگر خاتم النبیین اور لا نبی بعدی میں تأویلاتِ باطلہ کرنے والے کو

دائرۂ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے تو پھر بت پرست اور مشرکین کو، بلکہ ان کے معلّم وامام ابلیس کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج یا کافر نہیں کہہ سکتے۔

اور جو لوگ ایسی تأویلاتِ باطلہ کرکے اُمت کے اجماعی عقائد اور قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کی تکذیب کرنے والوں کو اُمتِ اسلامیہ سے علیحدہ کرنے کو اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ اس سے اسلامی برادری کو نقصان پہنچتا ہے، ان کی تعداد کم ہوتی ہے یا ان میں تفرقہ پڑتا ہے، تو انہیں غور کرنا چاہئے کہ اگر تفرقہ اور اختلاف سے بچنے کے یہی معنی ہیں کہ کوئی کچھ کیا کرے اور کہا کرے، مگر اس کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے تو پھر ان مٹھی بھر ملاحدہ وزنادقہ سے ملت کو کیا سہارا لگتا ہے؟ ایسی پوچ تأویلات کے ذریعہ تو سارے جہان کے کافروں کو ملتِ اسلامیہ میں شامل کیا جاسکتا ہے، اگر ایسی ہی رواداری کرنا ہے تو پیٹ بھر کے کی جائے تاکہ دنیا کی ساری قومیں اور سلطنتیں اپنی ہوجائیں اور یہ کفر وایمان کی جنگ ہی ختم ہوجائے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس روشن خیالی اور رواداری کے ساتھ قرآن سے ہاتھ دھونا پڑیں گے:-

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ. (۲:۶۴)

ترجمہ:- بعض تم میں کافر ہیں، اور بعض تم میں مؤمن ہیں۔

کا اعلان کیا، اور جس نے ''حزب اللہ'' اور ''حزب الشیطان'' کا تفرقہ قائم کیا، اور جس کا تقریباً آدھا حصہ کفر اور کفار کے ساتھ جہاد وخلاف سے لبریز ہے۔

یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے!

آج کل بہت سے وہ لوگ جو اُصولِ دین سے واقف نہیں، ملحدین کے ظاہری نماز، روزہ وغیرہ سے متأثر ہوکر ان کو کافر قرار دینے والے علماء پر یہ الزام لگایا

کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں، مذکور الصدر دلائل سے واضح ہوگیا کہ وہ کسی کو کافر بناتے نہیں، البتہ جو خود اپنے عقائدِ کفریہ کی وجہ سے کافر ہوجائے اس کا کافر ہونا مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تکذیبِ رسول کی یہ صورت، جس کا نام ''زندقہ والحاد'' ہے، تکذیب وکفر کی بدترین اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر کفر سے زیادہ خطرناک ہے، ''ابلیس'' جیسا کافرِ اکفر اسی قسمِ تکذیب کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تکذیب چونکہ صاف تکذیب کے رنگ میں نہیں ہوتی اس لئے خود مسلمان بھی اس میں اکثر دھوکا کھاتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس کا مرتکب عام شعائرِ اسلام، نماز، روزہ، تلاوت اور قرآن وغیرہ کا پابند ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن وحدیث اور اکابرِ اُمت کی تصریحات سے اس کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، سو بحمداللہ اس رسالہ میں اس کی مکمل تفصیل آگئی، جس سے واضح ہوگیا کہ اسلام کے قطعی اور یقینی اَحکام کو بذریعۂ تأویلات ان کے منصوص اور اجماعی مفہوم سے پھیر کر اس کے خلاف کسی مفہوم پر محمول کرنا، درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حدیث میں جو اہلِ قبلہ کی تکفیر کو منع کیا گیا ہے، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ جو قبلے کی طرف منہ کرے، وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ شرع اسلام کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو اسلام کے عام شعائر، نماز وغیرہ مسلمانوں کی طرح ادا کرتے ہوں اور ان سے کوئی قول وفعل ایسا سرزد نہ ہو، جس سے رسول (ﷺ) کی تکذیب ہوتی ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حررہ العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ جنوری ۱۹۵۴ء

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
مقدمہ	٧
ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے والے اُصول	٧
ایمان اور کفر کی تعریف	١٣
فائدہ متعلقہ ختم نبوت	١٨
مؤمن و کافر کی تعریف اور کفر کی اَقسام	١٩
تعریفات	١٩
اسلام و ایمان اور مسلم و مؤمن میں فرق	٢٠
ثبوتِ قطعی	٢٢
ثبوتِ بدیہی	٢٢
ضروریاتِ دین	٢٣
تنبیہ	٢٣
کفر اور کافر کی اَقسام	٢٤
کفر، زندقہ و الحاد	٢٥
تأویل اور تحریف میں فرق	٢٧

مضمون	صفحہ نمبر
ائمۂ اسلام کی مزید شہادتیں زندقہ کے کفر ہونے پر	٣٦
مسئلہ تکفیرِ اہلِ قبلہ	٤٨
کسی مدعیٔ اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط!	٥٩
تکفیرِ مسلم خود کفر ہے	٦١
ایک شبہ اور جواب	٦١
احتیاط کا دوسرا پہلو	٦٤
فوائدِ ضروریہ منقول از رسالہ وصول الافکار	٦٥
سوالِ اوّل	٦٨
الجواب!	٦٨
ضابطۂ تکفیر	٧٣
تتمہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ (جلد سادس)	٧٤
خلاصۂ رسالہ مع جواب بعض شبہات	٧٦
یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے!	٧٨